کے عروج و زوال پر تبصرہ کیا ہے، مسلمانون کی اصلاح و ترقی کی ساری مادی تدبیرین آزمائی جاچکین اور سب ناکام رہین، اور آج بھی اُن کی فلاح و ترقی انھی اعمال کے ذریعہ ہو سکتی ہے، جن سے تیرہ صدی پہلے ہو چکی ہے، آج جب کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے نازک دور سے گذر رہے ہین اُن کی صحیح رہنمائی کے لئے اس قسم کی کتابون کی بڑی ضرورت ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اُن کا مطالعہ کرنا چاہئے،

ہم اور تم، از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۶۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ع۲؍ پتہ:- دفتر رسالہ عصمت کراچی نمبر ۳،

لائق مصنفہ رسالہ عصمت کی مشہور اور مشاق مضمون نگار ہین، اُن کی متعدد ادبی تصانیف، افسانون کے مجموعے شائع ہو چکے ہین، ہم اور تم ۱۲ مختصر افسانون کا نیا مجموعہ ہے، انکے دوسرے افسانون کی طرح ان افسانون مین بھی، انسانی فطرت کے مختلف رخون اور ہندوستانی معاشرت اور گھریلو زندگی کے مختلف پہلوؤن کی نہایت دلچسپ تصویرین ہین، جن سے لطف و تفریح کے ساتھ سبق بھی حاصل ہوتا ہے، ظرافت کی لطیف آمیزش اور زبان کی نفاست و پاکیزگی نے افسانون کے لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے،

قواعد الولدان فی تیسیر القرآن از مولوی حکیم محمد احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت:- ۲؍

پتہ:- مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ

مصنف مدرسۃ الاصلاح مین مدرس رہ چکے ہین، اُن کو تعلیم کا عملی تجربہ ہے، اس تجربہ کی روشنی مین انھون نے بچون کی قرآن مجید کی تعلیم مین سہولت کے لئے بغدادی قاعدہ کے طرز پر یہ نیا قاعدہ لکھا ہے، جو اس مقصد کے لئے مفید ہے،

"م"

جلد ۶۲ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

مقالات

شذرات

ایک غلط راہ

ہندوستان میں ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد اور خصوصًا مشرقی پنجاب اور دہلی کے خونریز واقعات سے مسلمانوں پر ایک حیرت سی چھا گئی ہے، ان کو اپنے نئے ہندوستان کی اس نئی دنیا میں عزت کی کوئی راہ نظر نہیں آتی، بہتیرے دماغ تو سوچنے اور سمجھنے سے معذور ہوگئے ہیں، اور وہ نہیں جانتے، کہ نئے احول سے وہ اپنے کو کیسے مطابق کریں، بعضوں نے اب سوچنا شروع کیا، تو ان کو یہ راستہ نظر آتا ہے کہ وہ محکوم ہیں، اور ہندو اُن کے حاکم ہوگئے ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے عزت کی زندگی کا راستہ یہ ہے کہ محکوم قوم حاکم قوم کیساتھ محکومانہ وفاداری کا تعلق پیدا کرے، اور اس کے علوم و فنون اور زبان کو اپنائے اور اس کے طور و طریق اور تمدن و تہذیب کو اختیار کرے، چنانچہ اس وقت جو نئے اخبارات نئے پیغاموں کے ساتھ نکلنے لگے ہیں، وہ کبھی صراحۃً اور کبھی اشارۃً اس قسم کے خیالات پھیلا رہے ہیں، افسوس کہ یہ مقصد سرتا سر غلط ہے، اور یہ غلط راہ مسلمانوں کی خودکشی کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں،

صحیح صورت یہ ہے کہ کانگریس کا اعلان اور حکومتِ وقت کا منظور کردہ دستورِ اساسی ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان اس ملک کے سارے باشندوں کی متحدہ جمہوری حکومت ہے جس میں اس ملک کی ہر قوم برابر کی شریک ہے، البتہ نمایندگی اور تقسیم ملازمت میں قوموں اور فرقوں کی مردم شماری کے مطابق انکی تعداد ہوگی اور لازمًا اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس قوم کی تعداد بڑی ہوگی، اس کو اکثریت کی قوت حاصل ہوگی، مگر اس کا نتیجہ اقلیت والے گروہ کی محکومی نہیں، بلکہ ہندوستان کے ہر فرقہ اور گروہ اور اہلِ مذہب کو اپنے دین، زبان، تمدن، تہذیب اور طریقِ معاشرت

کی پوری آزادی کا مساویانہ حق حاصل ہے، اور اس وقت تک کوئی قوم متحدہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی قومیت کے عناصر کی پوری طرح حفاظت نہ کرے، اور اس کے لئے پوری جد و جہد نہ کرے اور اس راہ میں جانی و مالی خدمت و ایثار کے جذبات سے اپنی خود مختاری کا ثبوت نہ دے،

جب جناح و گاندھی کی بمبئی والی گفتگو میں یک قومی اور دو قومی نظریہ پیدا ہوا ہے بار بار یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس ملک میں ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں، یا دو قوم، دونوں طرف دو گروہ ہیں اور ہر قسم کی مصیبت کا سبب ان نظریوں کو بتایا جا رہا ہے، مگر غلطیاں دونوں طرف ہیں،

ایک یا دو قوم کے نظریہ کو زبان پر لانے سے پہلے اس کا فیصلہ کیجئے، کہ قوم سے آپ کا مقصود کیا ہے اگر یہ ہے کہ ایک ملک کے سارے رہنے والے ایک قوم ہیں تو بلا شبہ اس ملک کے رہنے والے ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں اور اگر اس سے مقصود ان عناصر کی وحدت ہے جن پر ان دونوں قوموں کے مذہبی اور روحی خیالات، جذبات، رجحانات کی بنیاد ہے تو ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو ہی قومیں نہیں، بلکہ بیسیوں قومیں ہیں جس طرح ہندو مذہب ایک مذہب نہیں، بلکہ بیسیوں مذہبی تصورات اور رسوم کا مجموعہ ہے اور ہر ایک دوسرے سے الگ ہے پھر بھی وہ ایک مذہب ہے اور ان کو ایک قوم سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہندو اور مسلمان اپنے مذہبی عقائد و عبادات اور تمدنی و تہذیبی عناصر میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، پھر بھی وطنی حیثیت سے ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں،

ہندو مہاسبھائی اور بعض کانگریس کے بھیس میں ہندو مہاسبھائی جو یہ خیال کرتے ہیں، کہ ہندوستان کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ تمام ہندوستانی قوموں کے امتیازی عناصر وا وصاف کو مٹا کر ایک واحد ہندوستانی قوم بنا دیں، وہ بڑی بھول میں ہیں، ہندوستان کی پچھلی تاریخ گواہ ہے، کہ جب جب ہندو قوم کی اس تنگ خیالی نے ظہور کیا ہے، ملک غلامی میں مبتلا ہوگیا ہے، میں نے بمبئی کی تقریر میں پی ان اے کے جشن جوبلی میں یہ کہا تھا، کہ ہندوستان سینکڑوں قوموں کے رنگ برنگ موتیوں کی مالا ہے، جو لوگ ان کو زبردستی ایک بنانا چاہتے ہیں، وہ ان رنگ برنگ کے بیش قیمت موتیوں

کو کوٹ کر ایک سفوف بنانا چاہتے ہین، یہ سفوف تو تیار ہو سکتا ہو مگر پھر ان مین سے کسی بڑے یا چھوٹے موتی کی اتنی اعلیٰ قدر وقیمت باقی نہین رہ سکتی

اس تفصیل سے ظاہر ہو گا، کہ ہندوستانی مسلمانون کو اپنے یا بیگانے جو یہ مشورہ دیتے ہین کہ وہ اپنی ممتاز ہستی کو خیر باد کہکر اکثریت مین مدغم ہو جائین، وہ مسلمانون کو خودکشی کی دعوت دے رہے ہین، میری نزدیک ملک کیسا تھ پوری وفاداری اور اکثریت کیساتھ مصالحانہ حسن تعلق رکھنے کے باوجود مسلمان مسلمان رہ سکتے ہین اور مسلمانون کو مسلمان رہنے کی دعوت دیجا سکتی ہے، اور اُن کی امتیازی حیثیت کو باقی رکھا جا سکتا ہے، اور اُن کے دین، تہذیب، زبان اور علوم کو جو انکی اپنی قومیت کے عناصر ہین، نہ صرف باقی رکھا جا سکتا ہے، بلکہ اُن کے باقی رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، اور مسلمان قوم ہندوؤن کے ساتھ وطنی وحدت قائم رکھنے کے باوجود اپنی مذہبی وتہذیبی ہستی کو برقرار رکھ سکتی ہے، ان کو اس ملک مین زندہ رہنے کے لئے یہ تعلیم کیون دی جائے، کہ اب ہندوستان کی وحدت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام امتیازی اوصاف وخصائص کو خود چھوڑ دین، یا اُن سے زبردستی چھڑا دیا جائے، جو لوگ یہ کہہ رہے ہین، وہ مسلمانون کو غلط راہ پر ڈالنا چاہتے ہین، اور پوری قوم کی قوم کو ہلاک وبرباد کرنا چاہتے ہین،

بیشک ملک مین ایسے لوگون کی کمی نہین جو صداقت کے نہین، بلکہ قوت کے پرستار ہین، جو کل انگریزون کی طاقت کے عہد مین انگریز کی نقالی کو اپنا فخر سمجھتے تھے، آج وہ ہندو اکثریت کی طاقت کے عہد مین ہندو کی نقالی کو اپنا فخر سمجھین گے، مگر ایسے بہروپیے کبھی بھی اعتبار کے قابل نہین،

مسلمانو! اٹھو اور تم اپنے کو ہندوستان کی سلطنت کا حصہ دار سمجھو، اور ملک کی وفاداری اور اہل ملک سے دوستی کے ساتھ اپنے مذہبی وتہذیبی امتیازات کے قیام وتحفظ وبقا کے لئے مردانہ وار جد وجہد کرو اور اسی کو اپنی زندگی کا راز سمجھو، ع

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

مقالات

تصوّف وسلوک کی تجدیدات

از

جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

نسبت باطن | جس کو اس کے دعویدارون نے ایسا چھپایا، کہ خود ان سے بھی چھپ گئی، اس کی حقیقت وعلامت بھی سن لیجئے، کہ یہ ذکر وطاعت کے کمال کے سوا کچھ نہین،

"نسبت باطن کے حصول کی علامت دو امر ہین، ایک یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ملکہ ایسا ہو جائے کہ کسی وقت غفلت وذہول نہ ہو، اور اس مین زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے، دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادات ومعاملات، اقوال وافعال اور اخلاق مین ایسی رغبت اور منہیات سے ایسی نفرت ہو جاوے جیسی کہ مرغوبات ومکروہات طبعیہ کی ہوتی ہے، اور دنیا کی حرص قلب سے نکل جائے، کان خلقہ القرآن، اس کی شان بن جائے، الیتہ عارضی کسل یا وسوسہ جس کے مقتضی پر عمل نہ ہو اس رغبت ونفرت کے منافی نہین"

لیکن خالی ملکۂ یادداشت بھی نسبت کا اصل جزء نہین، یہ ملکہ تو معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے، اسلئے اصل جزء حق تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا ہے، رضا بھی وہ معتبر ہے جو جانبین سے ہو، یعنی صرف ہم ہی خدا سے

راضی نہ ہوں، بلکہ خدا بھی ہم سے راضی ہو، جس کا ذریعہ ظاہر ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری ہی ہو سکتا ہے، ارشاد ہے کہ

"آج کل لوگ ملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہین، جو صرف ذاکر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، اور جو معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے، حالانکہ نسبتِ مطلوبہ نام ہے اس لگاؤ اور تعلق کا جو جانبین سے ہو، یعنی عبد کی طرف سے حق تعالیٰ کے ساتھ اطاعت و ذکر کا تعلق اور حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق یہ ہے نسبتِ مطلوبہ[1]"

کسی طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ

"نسبت کے لغوی معنی ہین لگاؤ اور تعلق کے، اور اصطلاحی معنی ہین بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت اور ذکر غالب کا، اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق مین ہوتا ہے، ...... جب نسبت کے یہ معنی معلوم ہو گئے، تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحبِ نسبت نہین ہو سکتا، بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو سمجھتے ہین، جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہین، مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہوتی ہے[2]"

ایک بے معنی بات یہ مشہور ہو گئی ہے، کہ نسبت سلب کر لیجا سکتی ہے، اس کے متعلق ایک ملفوظ مین ہے کہ

"ایک کام کی بات یاد آئی، یہ جو مشہور ہے کہ فلان بزرگ نے فلان بزرگ کی نسبت سلب کر لی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) نے فرمایا کہ نسبت قربِ الٰہی کا نام ہے، اسکو کوئی سلب نہین کر سکتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائین، دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کرے، حقیقت اس سلب کی صرف یہ ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۹۵ [2] اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۵۲،

کو مضمحل کر دے، جس سے نشاط کی جگہ غباوت ہو جاوے، مگر اس کا وہ مقابلہ کر سکتا ہے، لیکن اگر مقابلہ نہ کیا تو عمل مین خلل پڑنے سے اس کا اثر نسبت تک پہنچ سکتا ہے[1]"

خالق کے ساتھ نسبت و تعلق پیدا کئے بغیر خدمتِ خلق درست نہیں

اسی نسبت کی بحث و تحقیق کے سلسلہ مین مسلمان صوفی بننے بنانے کے دستور العمل بنام قصد السبیل مین، ایک اور ایسی ہدایت فرمائی ہے، جس کو دنیوی قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کے اکھاڑے والے عوام و خواص لیڈر و ایڈیٹر تو کیا معنی، خالص دینی مدارس و دارالعلوم والے علماے دین تک قبول کرنا کیا سننا بھی مشکل سے گوارا فرمائین گے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ نسبت و تعلق کچھ پختہ و مستحکم نہ ہو جائے، اُس وقت تک قومی و سیاسی اکھاڑے مین کودنا تو الگ رہا، درس و تدریس، وعظ و ارشاد، تالیف و تصنیف کی دینی خدمات تک کی فارغ البال و مستند عالم تک کو بھی اجازت نہین، فرمایا کہ

"منجملہ اس دستور العمل کے امر یہ بھی ہے، کہ جب تک ایسے شخص کو جس مین کلام ہو رہا ہے کسی قدر رسوخ و استحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہو جائے، جب تک نہ تو افادۂ ظاہری مین مشغول ہو، نہ افادۂ باطنی پر اقدام کرے، یعنی نہ طلبہ کو پڑھاوے، نہ عوام مین وعظ کہے، نہ مطب کرے، نہ تعویذ گنڈے کرنے لگے، بالکل زاویۂ خمول مین پڑا رہے، اِلَّا اَنْ یَضْطَرَّ اِلیٰ شَیْءٍ مِنْ ذٰالِکَ" .... البتہ بعد حصولِ نسبت کے درس و وعظ یا تصنیف و تالیف کا مضائقہ نہین، بلکہ یہ خدمتِ علمِ دین افضلِ عبادات ہے، اور اگر شیخ تعلیم و تلقین و بیعت کی بھی اجازت دیدے تو بندگانِ خدا سے اس افادہ مین بھی دریغ نہ کرے، اور اگر وہ اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے، (ص ۱۶)

باقی جن "قومیات و سیاسیات" کا نام آج کل خدمتِ خلق رکھا گیا ہے، ان مین پڑنے کا اندازہ

---

[1] الافاضات ۲۹ شعبان ۱۳۵۰ھ

تو اس سے فرمایئے کہ

"حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگون نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا، انھین سخت وحشت ہوئی، بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو...... حضرت نے تجویز فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے، اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے، وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے، کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے، ورنہ خالق کا حق ادا ہوتا ہے، نہ خلق کا، یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہین، بلکہ ہزارون اہل بصیرت کا، ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی وحضرت شاہ شجاع کرمانی کے واقعات معلوم ہین، اور حضرات خلفاء راشدین پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے ع

کار پاکان را قیاس از خود مگیر"[1]

ان حضرات کی نسبت مع الخالق کے رسوخ کی گرد کو بھی کون پا سکتا ہے،

مگر ہمارے اس زمانہ مین خصوصاً "لادینی قومیات وسیاسیات" والون کی نقالی مین یہ فتنہ وابتلا کچھ ایسا عام وعالمگیر ہو گیا ہے، کہ خود اپنی اور اہل وعیال کی صلاح واصلاح سے پہلے ساری خلق خدائی کی اصلاح وخدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہین، دوسرون کا تو ذکر ہی کیا، خود حضرت علیہ الرحمہ کے بعض صاحب علم اچھے اچھے مجازین ومعتقدین تک کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس ہدایت کی صحت ہی مین کلام ہے، یا سرے سے اس کو ناقابل عمل تصور فرمایا جاتا ہو کہ کئی دینی وعلمی ادارات سے داعی ورعایا کی مسئولیت کا تعلق ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی رائج الوقت خدمات خلق کا بوجھ اپنے دوش پر قبول فرما رکھا ہے، کہ جن کے حقوق کا پورا کرنا کیسا ان کے معاملات سے ضروری آگاہی کی بھی فرصت نہین،

[1] اشرف السوانح حصہ دویم، ص ۱۲۸،

اس قسم کے تلخ تجربون کی تلخ نوائی محض یہ واضح کرنے کے لئے ہو کہ ہمارے جماعتی کامون مین جو ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، کہ خلق کا یہ حق جب ہی ادا ہو سکتا ہے، جب خالق کے ساتھ نسبت وتعلق کچھ درست وراسخ ہو، اور عند اللہ مسئولیت کا خوف وخیال دل پر غالب ہو، اہم عہدون اور ذمہ داریون کو آج کل کی طرح زیادہ تر جاہی ومالی منافع کے لئے نہ قبول کیا جائے،

مجاہدہ ذکر اس کا تھا کہ اشغال ومراقبات وغیرہ تصوف کے مقاصد نہین تدابیر ہین، یہی حال مجاہدات اور ترک تعلقات کا بھی ہے، کہ وہ مقصود مامور اعمال وطاعات یا قرب ورضا کی راہ کی جد وجہد سعی وتدابیر کا نام ہین، خود مقصود نہین، مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق وعادت ہے، کہ حق کی رضا وطاعت کے مقابلہ مین نفس کی جانی ومالی اور جاہی خواہشات ومرغوبات کو مغلوب رکھا جا سکے، جس کی قرآن نے جامع تعبیر "جہاد بالانفس والاحوال" سے فرمائی ہے، اور اسی مجاہدہ پر ہدایت کا قطعی وعدہ ہے، الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، اور حضرت جامع المجددین کے جامع الفاظ مین اس مجاہدہ کی تجدید وتحقیق یہ ہے کہ

"نفس کے مطالبات دو قسم کے ہین، حقوق اور حظوظ، حقوق وہ جن سے قوام بدن اور بقاء حیات ہے، اور حظوظ وہ جو اُن سے زائد ہون، پس مجاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کو باقی رکھے، اور حظوظ کو فانی کرے،"

اس مین جس طرح ایک طرف افراط کی بے اعتدالی یہ ہو کہ ساری زندگی حظِ نفس کی نذر کر دی جاتی ہے، اسی طرح تفریط کی بے احتیاطی یہ ہے کہ بہتون نے مجاہدہ کا مطلب جوگیون اشراقیون کی طرح یہ سمجھ رکھا ہے کہ حقوقِ نفس کو بھی فنا کر دیا جائے، بلکہ روحانی نجات نام اسی کا رکھ لیا ہے کہ اس مادی وجسمانی زندگی مین مادی وجسمانی حاجات سے نجات حاصل کر لی جائے،

آج کل صوفی بھی اکثر اس مین مبتلا ہین، کہ جس قدر نفس کی مخالفت ہو گی، خدا زیادہ راضی

ہون گے، اگرچہ وہ مخالفت نفس شریعت کے خلاف بھی ہو، چنانچہ بعضوں کو خبط ہوگیا ہے کہ اپنے اوپر گوشت حرام کر لیتے ہین، اسی طرح بعضے سرد پانی نہین پیتے، بعضے چارپائی پر نہین سوتے، اور بعضے جن کو دولتِ اسلام نصیب نہین یہان تک بڑھ گئے، کہ اپنے اعضا تک سکھلا دیتے ہین، مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ گرمی کے ایام مین چارون طرف سے آگ جلا رکھی ہے، اور بیچ مین خود بیٹھا ہے، یہ سب جہل کی باتین ہین؛

لیکن اس سے ان لوگون پر شبہہ نہ کیا جائے جنھون نے نفس کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہین، اوّل تو وہ حضرات حدِ اباحت سے تجاوز نہ کرتے تھے، پھر وہ بھی بطور علاج کرتے تھے، عبادت و ذریعۂ قرب نہین سمجھتے تھے، جیسے کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے براے چندے چھوڑ دے، کہ وہ اس کو عبادت نہین سمجھتا، بلکہ ذریعۂ حصول صحت سمجھتا ہے، اور اگر کوئی اوس کو ثواب سمجھ کر کرے، تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا، کہ اس نے قانون شریعت مین ایک دفعہ کا اضافہ کیا، اور بدعت کے قبح کا یہی راز ہے، لیکن ان حضرات نے صرف بطور علاج کے ترک کیا، بخلاف جہلا کے کہ اس کو دین و عبادت اور ذریعہ قرب سمجھ کر کرتے ہین،

بہر حال نفس کو راحت پہنچانا اور اس کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے ہر چیز کی حد مقرر کر دی ہے، حضرت ابو درداؓ صحابی رات کو بہت جاگتے تھے، حضرت سلمانؓ نے ان کو روکا، آخر مقدمہ جناب نبوی مین گیا، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سلمان سچ کہتے ہین، اور یہ ارشاد فرمایا، انّ لنفسك عليك حقًّا الخ،

(الرفیق فی سواء الطریق ص ۲۳ و ۲۴)

" افسوس تصوف کا ناس کر دیا ان جاہل صوفیون نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے، کہتے ہین، بچے کھچے، بیوی کو طلاق دیدو، اولاد کو عاق کردو، دروازہ کو تیغا کر دو، چالیس چنے

رکھ لو، اور ایک چنا روز کھاؤ، بدون اس کے اصل فقیری حق نہین، مین کہتا ہون واللہ درویشاون ہین گدے تکیون مین، سلطنت مین، مرغن غذاؤن مین فقیری ملتی ہے، مگر گھر مین نہین شیخ کامل کی خدمت مین" (اشرف السوانح حصّہ دوم ص ۱۴۱)

اور فرمایا کہ درویش کے لئے کمبل اور گدڑی کی ضرورت نہین، بلکہ اللہ تعالیٰ دے تو دوشالہ اور شاہی مین بھی درویشی حاصل ہوسکتی ہے، بشرطیکہ طریقہ سے حاصل کیجائے،

واقعی کسی حقیقت شناس نے خوب ہی کہا ہے کہ حضرت کا سلوک تو شاہی سلوک ہے، نہ ریاضات کراتے ہین نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات کراتے ہین، نہ ترک لذات و مباحات، بلکہ فرماتے ہین خوب راحت و آرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب مین پیدا ہو، اور طبیعت مین نشاط رہے، جو معینِ عبادت ہو، البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو، اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو، نہ کم کھانے کی ضرورت، نہ کم سونے کی، یہ دونون مجاہدے آجکل متروک ہین، کیونکہ طبائع مین پہلے ہی سے ضعف غالب ہے، البتہ کم بولنا اور کم ملنا جُلنا ضروری ہے لیکن نہ اتنا کہ جس سے قلب مین انقباض پیدا ہوجائے" یہی نہین، بلکہ یہ شاہی سلوک سڑک بھی ہے، جس پر ہر خاص و عام بے کھٹکے چل سکتا ہے، کیا عالم کیا عامی کیا فارغ کیا مشغول، کیا تندرست کیا بیمار کیا قوی کیا ضعیف کیا امیر کیا غریب، اور یہی اصل معنی ہین دین کے یسر کے، اس لئے کہ اس مین انفرادی وسعت و استطاعت سے ایک ذرہ زائد کی تکلیف نہین، نہ ملکی آزادی پر منحصر نہ حکومت الٰہیہ پر،

بلا ضرورت مشقت مجاہدہ نہین | غرض مجاہدہ کے معنی نفس کو اس کے حقوق تک سے محروم کرکے خواہ مخواہ مصیبت مین ڈالنے کے بالکل نہین، بلکہ جہان تک ہوسکے بلا ضرورت نفس کو مشقت مین ڈالنے کے بجائے سہولت و راحت کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، فرمایا

طریق مین مقصود حاصل کرنے کی دو صورتین ہین، ایک مشکل، ایک سہل، تو سہل کو کیون نہ

[1] سوانح صفحہ ۱۳۳، ۳۲۱،

اختیار کیا جائے، ایک صاحب نے عرض کیا، کہ کچھ مجاہدہ بھی تو درکار ہے، فرمایا مجاہدہ سے مراد یہ تھوڑا ہی ہے، کہ مشقت یا سختی میں پڑو، ایک کنواں یہاں مدرسہ میں ہے، ایک جلال آباد میں جو دو ڈھائی میل ہے، تو کیا آپ اس کو افضل سمجھیں گے، کہ مثلاً وضو کے لئے پانی وہاں سے لایا کریں، مجاہدات وریاضات مقصود بالذات تھوڑا ہی ہیں، ہاں مقصود کے معین ہیں، اصل چیز تو مقصود تک پہنچ جانا ہے،[1]

جس کے لئے ترک لذات بھی ضروری نہیں، صرف تقلیل لذات کافی ہے،

زہد کی حقیقت "ایک اہل علم نے سوال کیا کہ زہد کی بڑی فضیلت ہے فرمایا، زہد ترک لذات کا نام نہیں، محض تقلیل لذات کافی ہے، یعنی لذات میں انہماک نہ ہو، کہ رات دن اسی فکر میں رہے، کہ یہ چیز پکنی چاہئے، وہ چیز منگانی چاہئے، کہیں کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آرہے ہیں، کہیں کی بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی وہاں سے بالائی لیتے آنا، نفیس نفیس کھانوں، اور کپڑوں ہی کی فکر میں لگے رہنا، یہ البتہ زہد کے منافی ہے، ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آجائیں، تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہئے،

خاص مشہور مجاہدات اربعہ یہ ہیں، قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ کلام، قلتِ خلط مع الانام، ان میں بھی اول تو مقصود تقلیل ہی ہے، وہ بھی بشرط ضرورت اور بقدر ضرورت، ورنہ

"بہت کم کھانا بھی نہ چاہئیں، نہ یہ مقصود ہے، کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی خدا تعالیٰ کے خزانہ میں تو وفیر تھوڑا ہی ہو جائے گی،...... ہاں اتنا بھی نہ کھائے کہ پیٹ میں درد ہو جائے، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب کا مذاق تو یہ تھا، کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے، لیکن اس سے کام بھی خوب لے، میرا تو خیال ہو کہ مزدور خوش دل کند کار بیش، جس دن معلوم

[1] الافاضات الیومیہ کیم رمضان ۱۳۵۰ھ،

ہوتا ہے، کہ کوئی اچھی چیز پکی ہے، اس دن کام کرتے وقت یہ خوشی رہتی ہے، کہ فارغ ہو کر اچھی چیز کھانے کو ملے گی، نفس کے واسطے کوئی ابھارنے والی چیز ضرور ہونی چاہئے، حضرت حاجی صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہئے، کہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے، ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی، دل شریک نہ ہوگا،[1]

تقلیل سے بھی مراد حضرت کے ہاں شیخ کامل کی تعلیم کے موافق ان چار چیزوں میں محض توسط واعتدال ہے کہ نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت وقساوت وکاہلی پیدا ہو، نہ اس قدر قلت جس سے صحت وقوت زائل ہو جائے،[2] بڑی دولت اس طریق میں قلب کی جمعیت ویکسوئی ہے، اس لئے قلب کو تشویش وپریشانی سے بچانا بہت ضروری ہے، جس کا ایک بڑا سبب خود اپنی بے عنوانیوں سے صحت کو خراب کر لینا بھی ہے،

"اس لئے صحت کی بہت حفاظت کرے، دماغ اور قلب کی تفریح وتقویت ہمیشہ غذا اور دوا سے کرتا رہے، غذا میں نہ اتنی کمی کرے، کہ ضعف ویبوست ہو جائے، نہ اس قدر افراط کہ ہضم میں فتور ہو جائے،...... جب تک صادق رغبت نہ ہو کھانا نہ کھائے، اور ایک آدھ لقمہ کی اشتہار باقی رہنے پر چھوڑ دے،...... اسی طرح سونے میں اعتدال رکھے، نہ بہت زیادہ سوئے کہ کسل ہو، نہ بہت کمی کرے کہ یبوست ہو جائے"،

اور خلط مع الانام میں، جس طرح لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا اور دوستی بڑھانا مضر ہے، اسی طرح خواہ مخواہ دشمنی خریدنا بھی برا ہے کہ

"دوست تو اس پر ہجوم کر کے اس کے وقت کو مشوش کریں گے، اور دشمن ایذائیں پہنچا کر پریشانی میں ڈالیں گے...... البتہ اگر کوئی تشویش بلا اس کے اکتساب وارتکاب کے پیش آجائے، یا اس نے کسی شرعی ضرورت سے کام کیا، اس میں تشویش پیش آگئی، مثلاً سود خوار سے ہدیہ لینے

[1] اشرف السوانح ص ۱۱۰، [2] تعلیم الدین ص ۷۲،

سے انکار کیا، اور وہ دشمن ہو گیا، تو یہ مضر نہیں، نہ اس میں مضطر ہو، حق تعالیٰ پر نظر و توکل رکھے وہ مدد فرمائیں گے، اور اگر کچھ تکلیف ہی پہنچے، تو حکمتِ الٰہیہ سمجھ کر راضی رہے، وہ اس کے لئے زیادہ موجبِ قرب ہے، (تعلیم الدین ص ۱۹)

اسی سلسلہ میں ایک بات اور بھی یاد رکھنے کی ہے کہ

"مال کی حرص اور اس کے جمع کرنے کی فکر میں یا موجودہ ذخیرہ کو اسراف کر کے اڑا دان، دونوں کا انجام تشویشِ قلب ہے، حریص تو ہر وقت اسی دھن میں لگا رہے گا، اور مسرف ذخیرہ ختم ہونے کے بعد آخر پریشانی میں مبتلا ہوگا، یا پرائے مال پر نگاہ ڈالے گا،

(تعلیم الدین صفحہ ۱۸)

غیر اختیاری مجاہدہ | مجاہدہ کے باب میں ایک بڑے فائدہ کی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ مجاہدہ صرف اس مخالفت نفس کا نام نہیں، جو قصد و اختیار سے یا صوفیانہ مروج طریقوں سے کیجائے، بلکہ دنیا میں بلا ہمارے قصد اختیار کے ہمارے نفس کے خلاف جو دن رات واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور ان سے ہم کو جو رنج و غم واضطراب طبعًا لاحق ہوتا رہتا ہے، وہ سب سے بڑا مجاہدہ ہے،

"سالکانِ طریق نے حزن و غم کو اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ قرار دیا ہے، کہ اس سے نفس کو بہتی و شکستگی حاصل ہوتی ہے، جو کہ آثارِ عبدیت سے ہے ۵

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال   مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

"ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، صاحب الحزن یقطع من طریق اللہ تعالیٰ مالا یقطع من فقد حزنہ سنینا یعنی حزن و غم والا اللہ تعالیٰ کی وہ راہ طے کر جاتا ہے جو اس سے محروم سالہا سال میں نہیں طے کر پاتا، ۵

---

۵ قصد السبیل ص ۱۸

مجاہدہ سے استیصال رذائل نہیں ہوتا | اسی طرح مجاہدہ و ریاضت کے متعلق یہ بھی بڑے پتہ کی بات ہے کہ اس سے یہ امید رکھنا چاہئے، کہ نفس کی مخالفت کر کے رذائل نفس کی جڑ ہی کٹ جائے گی، یا ان کا بالکلیہ ازالہ ہو جائیگا، محض ان کا رُخ بدل جاتا ہے،

"ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا امالہ ہو جاتا، یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی میں بخل و غضب موجود ہے تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی، کہ سرے سے غضب اور بخل ہی نہ رہے، بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے، کہ پہلے مواقع خیر میں بخل، اور نیک لوگوں پر غصہ کرتا تھا، اب نا مشروع جگہ بخل کرے گا، اور مبغوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا، اس طرح جو بُعد کے اسباب تھے، وہ قرب کا سبب بن گئے، اور اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا" کہ ریاضت سے تبدیلِ اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں، معلوم ہو گیا کہ تبدیلِ اصول تو نہیں ہو سکتی، جیسا کہ حدیث میں ہے، اذا سمعتم بولی زال عن جبلتہ فلا تصدق قولہ، البتہ تبدیل آثار و مصارف ہو سکتی ہے، اس لئے مجاہدہ و ریاضت کا حکم ہے"،

نفس میلان و خواہش کے ازالہ کی خواہش ایسی ہی ہے، جیسے کوئی اکل حرام سے بچنے کے لئے یہ خواہش کرے، کہ اس کو سرے سے بھوک ہی نہ لگا کرے،

"کسی نے خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج پوچھا، تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کر کے یہ دعا کرنا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جائے"، (سوانح دوم ص ۱۳۱)

ایک اور ضروری تنبیہ | یہ فرمائی گئی ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کے اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے پابند ہیں بغیر اس کے کبھی کچھ عطا نہیں فرماتے، بلکہ یہ قید پابندی صرف بندہ کے لئے ہے،

"بے شک ریاضت و مجاہدہ کی بدولت روحانی حیات حاصل ہوتی ہے، اور اس کی قید بندہ

کے لئے ہے جس کو اس کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن حق تعالیٰ اس کے مقید نہیں، وہ قادر ہیں کبھی ایسا بھی کر دیتے ہیں، کہ بدون مجاہدہ و ریاضت کے محض اپنے فضل سے دولت باطنی و حیات روحانی عطا فرما دیتے ہیں، وہ بے چون و چگون ہیں، اُن کے کاموں کی کیفیت و طریقہ کون متعین کر سکتا ہے، کہ اسی طرح ہوتا ہے،

"اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے، کہ کبھی پہلے ریاضت ہوتی ہے، پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے، اس کو طریقِ سلوک کہتے ہیں، اور کبھی وصول الی اللہ پہلے ہو جاتا ہے، پھر عبادت و ریاضت کا شوق ہو جاتا ہے، اس کو طریقِ جذب کہتے ہیں، کہ اول کسی کامل کی صحبت یا کسی بزرگ کی حکایت سننے سے یا بلا کسی ظاہری وجہ کے قلب میں ایک قسم کی کشش و کیفیت حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو گئی، پھر بتدریج سلوک کی تکمیل کرتا رہا،"

تفصیلی سلوک و ریاضت کا مطلب یہ ہے کہ توبہ، صبر و شکر، خوف و رجا، زہد و توکل، توحید، محبت و شوق، اخلاص و صدق وغیرہ کے مقامات کو ایک ایک کر کے مختلف ریاضات، مجاہدات سے حاصل کیا جائے اور شہوت و غضب، حقد و حسد، بخل و حرص، عجب و ریا، کبر و غرور، حبِ دنیا، حبِ جاہ، آفاتِ لسانی وغیرہ مختلف رذائل کو مختلف مجاہدات و معالجات سے دور کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ کتنا دور دراز اور وقت طلب راستہ ہے، خصوصاً اس کم ہمتی و کم فرصتی کے زمانہ میں تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی یہ بڑی ہی اہم تجدید ہے، کہ

"اس تفصیلی علاج میں ہر وقت تین سوہان روح تیار ہیں، ماضی کی حسرت، حال کے شبہات اور مستقبل کا خوف، جب محققین مجددین و مجتہدین (ومنہم اکملہم مرشدی رحمۃ اللہ علیہ) نے دیکھا، بلکہ حق تعالیٰ نے الہاماً اُن کو دکھلایا، کہ اس طریق سے بعض اوقات ع،

تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم

کا معاملہ ہو جاتا ہے، پھر اہلِ زمانہ کی قوتیں ضعیف، ہمتیں قاصر، تو ان سب امور پر نظر کر کے ایک

دوسرا طریق ترتیب اختیار فرمایا، کہ ماضی و مستقبل سب حجاب عن الحق ہیں، اور حق تعالیٰ نے اپنے مشاہدہ کے لئے پیدا کیا ہے، نہ کہ ماضی و مستقبل کے مطالعہ کے لئے ولنعم ما قال الرومی ماضی و مستقبلت پردۂ خدا است البتہ توبہ کی ضرورت سے ماضی پر اور عزم کی ضرورت سے مستقبل پر نظر ضروری تھی لیکن ضروری کے لئے بقدر ضرورت آنا کافی ہے، کہ گذشتہ گناہوں سے موافق شرائط خوب توبہ کر کے پھر بار بار دل میں ان کا سبق نہ دہراتا رہے، اور مستقبل کے لئے اللہ پر بھروسہ کر کے اس کا قصد کرے کہ انشاء اللہ پھر یہ گناہ نہ کروں گا، اس کے بعد ہر وقت اس قصہ میں نہ لگا رہے،

"اس سے زیادہ دوسرا کام ہے جس کو حدیث میں ان لفظوں میں تعبیر فرمایا گیا ہے، راقب اللہ تجدہ تجاھک (اللہ کا دھیان رکھو اس کو اپنے سامنے پاؤ گے) بس اس کام میں لگ جانا چاہئے، یعنی ذکر و فکر اور عمل کے وقت عمل میں کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے، خلاصہ یہ کہ قرب کو مقصود سمجھے اور جو طریق اس کے لئے مقرر ہے، یعنی عقائد کی تصحیح کے بعد اعمال اختیاریہ کہ جس وقت کا جو عمل ہو، خواہ ظاہری مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ، خواہ باطنی جیسے خوف و رجا، شکر و صبر وغیرہ بس اس میں مشغول رہے، اور بعد کے اسباب ہیں، یعنی ظاہری و باطنی معصیت اس سے مجتنب رہے، نہ اس کی ضرورت ہے، کہ اسباب قرب میں ملکہ پیدا کرنے کی فکر کرے، نہ اس کی حاجت کہ اسباب بعد کے مادہ کو منقطع کرے،

"بس امور اختیاریہ میں جس میں کوتاہی ہو جائے، اس کو مضر و مہتم بالشان سمجھے، اور اس کی اصلاح کرے، اور امور غیر اختیاریہ کے وجود و عدم پر التفات بھی نہ کرے، اور اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے، مثلاً اگر کسی ضروری عمل میں خلل ہو گیا، اس کی قضا یا تلافی کرے، اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا، اس سے استغفار کرے، اور پھر اپنے کام میں لگ جائے،"

اسی ایک بات کے پیچھے نہ پڑجائے، کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیوں ن ہوا، یا یہ کام کیوں نہین ہوا،
یہ غلو ومبالغہ ہے جس سے کتاب وسنت مین منع فرمایا ہے، لا تغلوا فی دینکم من شاقّ
شاقّ الله علیہ سددوا وقاربوا واستقیموا، حضرت عارف شیرازی فرماتے ہین

ع سخت میگیرد جہان برمردمانِ سخت گیر

اور اسی غلو ومبالغہ کا اثر خصوصًا اس وقت کے قوی اور ہمتون پر یہ ہوتا ہے، کہ بہت جلد
مایوسی اپنا رنگ لاتی، اور سالک کو معطل کردیتی ہے، اور کبھی جان پر کبھی ایمان پر اس کا اثر پہنچتا ہے،
جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہوجاتی ہے، اور ایمان پر یہ کہ باوجود عمل وعلاج مین اتنی شدید کوشش
کے جب وہ کامیابی نہین میسر ہوتی، جس کو ہم نے کامیابی فرض کرلیا ہے، یعنی شفاے مطلق یا اس
مین تاخیر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ سے تنگی وشکایت پیدا ہوکر کراہیت وناراضی کی کیفیت پیدا
ہوجاتی ہے، کہ ہم کو اتنے دن مجاہدہ مین سر مارتے ہوگئے، مگر والذین جاھدوا کے
وعدے خدا جانے کہان گئے،

"ایک اور مرض لگ جاتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ، اور اپنی سعی کو بالغ سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا
منتظر رہتا ہے، پس اپنے عمل کا پلہ حق تعالیٰ کی عطا سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہین سمجھتا، اس لئے ناشکری مین مبتلا رہتا ہے، اور اگر بزعم خود کامیاب
بھی ہوگیا، اور پھر وہ کامیابی زائل ہوگئی، کیونکہ ایسے انقلابات عمر بھر رہتے ہین، تو پھر وہی
تنگی وپریشانی شروع ہوجاتی ہے، اس طرح یہ سلسلہ عمر بھر منقطع نہیں ہوتا، اور خود اسی
کا نفس یا اس کو دیکھ کر دوسرے دن کا نفس کہتا ہے، کہ اس راہ خدا سے خدا کی پناہ جس مین
بجز مصیبت کے راحت کا نام نہین،[1]

---

[1] اصول الوصول ص ۳۰، بحوالہ تسہیل الریاضت منقول عن الابتلاء لاہل الاصطفاء ص ۹ تا ص ۳۳،

ان مفاسد وخطرات کی بنا پر نہایت تاکید کے ساتھ جابجا ہدایت فرمائی گئی ہے، کہ اس غلو ومبالغہ
اور ان ترقیات وتعمقات مین ہرگز ہرگز نہ پڑے حتی کہ

"اگر کوئی محمود وارد آوے، تو نہ اس کو کمال سمجھے، نہ اس کے بقا کی تمنا کرے، نہ اس کے فوت
پر حسرت، اسی طرح اگر کوئی وسوسہ پیدا ہو، اس کے دفعہ مین بھی تن دہی نہ کرے، بس ذکر کی
طرف وہ بھی سرسری طور پر متوجہ ہوجائے، کہ نہ دفع ہو نہ سہی، یعنی ذکر قرب کے قصد سے
کرے، نہ کہ وسوسہ دفع کرنے کے قصد سے، خلاصہ یہ کہ حق کی رضا کا طالب اور ناراضی سے
ہارب رہے، یہ رضا وناراضی منحصر ہے اوامر کے عمل، اور نواہی کے اجتناب پر، عمل اگر فوت
ہو، تو قضا کرے، اور نہی کا ارتکاب ہو تو استغفار کرے، نہ اپنے کو خواص مین سمجھے، کہ عامیون
کی سی اپنی حالت سے گھبرائے، اور نہ دنیا مین ثمرات کا، اور نہ آخرت مین مراتب عالیہ کا
طالب رہے، بس اس کی دعا کرتا رہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا مین اعمال کی توفیق اور آخرت
مین جنت عطا فرمائین، اور دوزخ سے نجات بخشین، بس ہوگیا مسنون سلوک؛[1]

ایک شبہہ اب اس پر یہ شبہہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر محض وسوسہ یا معصیت کا محض میلان مضر نہین، ان پر
عمل مضر ہے تو اس کے لئے مجاہدہ کی کیا ضرورت،

"جواب یہ ہے کہ واقعی اس کے لئے مجاہدہ فرض وواجب نہین، صرف یہ نفع ہے کہ معصیت
کے میلان کا مقابلہ کرنے میں زیادہ تعب وتکلیف نہین ہوتی، آسانی سے آدمی نفس پر غالب
آجاتا ہے، اور غیر مجاہد دشواری سے، بس یہ فائدہ ہے مجاہدہ مین، یہ نہین کہ سرے سے میلان
جاتا رہتا ہو، اس کی ایک مثال دیا کرتا ہون، کہ گھوڑا شایستہ ہو کر بھی کبھی کبھی شرارت و
شوخی کرتا ہے، اگر بوجہ شایستگی کے جلد رام ہوجاتا ہے، بخلاف غیر شایستہ کے کہ اس کے رام کرنے
مین بہت مشکل لاحق ہوتی ہے،[2]

[1] اصول الوصول ... بحوالہ تسہیل ... منقول عن الا[illegible] لاہل الصفا ص ... ص ۳[illegible]

تفصیلاتِ بالا سے ان مجاہدات وریاضات کی حقیقت وضرورت اُن کے مفاسد وخطرات سب پوری طرح واضح ہوگئے، جن کو بہت سے مسلمان نافہم صوفیہ نے بھی اشراقیون اور جوگیون کی طرح اور ان کے زیرِ اثر اسلامی تصوف کا بھی اصل مقصود بنا رکھا ہے،

مجاہدہ کا اصل ثمرہ کیفیات نہین

اب ذرا ان واردات وکیفیات توجہ وتصرفات، کشف وکرامات، مواجید ولذات کی بھی حیثیت وحقیقت غور سے سُن لین جن کو ان مجاہدات وریاضات کے اصلی ثمرات قرار دے لیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مجاہدات بذاتِ خود مقصود نہین، اسی طرح اُن کے یہ ثمرات بھی نہ مقصود بالذات ہین، اور نہ ان کا مجاہدات پر مرتب ہونا لازم ہے، اور جس طرح مجاہدہ وریاضت کی حیثیت تدبیر وعلاج کی تھی، اسی طرح ان ثمرات کی حیثیت صحت کی ہے، کہ صحت سے بھی اصل مقصود مقاصدِ زندگی کی تکمیل یا نشاط وسہولت کے ساتھ تکمیل ہے، جیسے مرچ کہ وہ غذا نہین، مگر غذا مین اس سے لذت پیدا ہو جاتی ہے،

"فرمایا آج کل لوگ کیفیات کے پیچھے پڑے ہین، جو کہ غیر مقصود ہین، گو یہ کیفیات غیر مقصود لذیذ ہوتی ہین، جیسے مرچ کہ تغذیہ مین غیر مقصود ہے، مگر لذیذ ہے، اور اب تو لوگ ان کیفیات ہی کو مقصود سمجھ کر گویا نری مرچون کا ہی سالن کھاتے ہین، بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر روپیہ کا سکہ خوبصورت نہ ہوا پھر بھی چونسٹھ ہی پیسے ملین گے، اور سیسہ یا رانگہ کا ٹکڑا گو بہت چمکدار اور خوبصورت ہو، مگر بازار مین نہ چلے گا، اسی طرح بازارِ آخرت مین کیفیات یا لذات جو حقیقت کے اعتبار سے سیسے یا رانگے کے ٹکڑے ہین وہان نہ چلین گے"[1]

"واردات غیبیہ یا ذوق وشوق اصل ثمرہ نہین، تربیت کا محض ایک ذریعہ ہے، وہ بھی بعض کے لئے طبعی طور پر، اور دوسرا ذریعہ ترتیب کا بلا مواجید کے صرف ہمت سے کام لینا ہے"[2]

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۴۰ ۔ [2] اصول الوصول ص ۲۰،

تصوف کی حقیقت دو جملوں مین

یہ واردات وکیفیات درحقیقت انفعالات ہین، اور طریق مین افعال مقصود ہین، انفعالات نہین حضرت علیہ الرحمہ نے ایک مولوی صاحب کو انہی دو جملون مین تصوف کی حقیقت تبلادی تھی، مگر انھون نے قدر نہ کی، آخر مولوی صاحب تھے، جن لوگون مین تاثر وانفعال زیادہ ہوتا ہے، قدرۃً ان مین کیفیات بھی زیادہ ہوتی ہین، یہان تک کہ بعضون مین یہ تاثر وانفعال محویت واستغراق تک پہنچ جاتا ہے، اور لوگ

"استغراق کو بڑی چیز سمجھتے ہین، اور یہ سمجھتے ہین، کہ جب تک ہم بے عقل وبے ہوش نہ ہوئے تو کمال ہی کیا ہے، صاحبو! اللہ تعالیٰ کا نام ہوش بڑھانے کے لئے لیا جاتا ہے، نہ کہ کھونے کے لئے...... خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے ہین، کہ استغراق مین قرب نہین بڑھتا، کیونکہ اس مین عمل نہین ہوتا، جو مدار قرب ہے"[1]

پھر ان کیفیات پر دھوکا ہو جاتا ہے روحانی کیفیات کا، حالانکہ اکثر صورتون مین وہ محض نفسانی کیفیات ہوتی ہین، اور ان مین تمیز کاملین ہی کا کام ہے، بلکہ

"حقیقت مین جو ذی استعداد کامل ہین، اُن پر نفسانی کیفیات طاری ہی نہین ہوتین، ہان روحانی جن کا اثر روح پر ہوتا ہے، کاملین پر طاری ہوتی ہین، جن کا عوام کو پتہ بھی نہین، اور ان دونون مین فرق جیسے گڑ اور فیرنی کی شیرینی مین ہوتا ہے، چمار کسی کی بے گار مین گئے اُس نے فیرنی کھلائی، تو ناک مار کر کھا تو لی، مگر چودھری کہتا ہے یہ تھوک سی کیا ہے، اس کو مٹھائی معلوم ہی نہین ہوتی، اُس نے کبھی فیرنی کی بو بھی نہین سونگھی تھی، اس کے نزدیک تو مٹھائی بس گڑ تھا، تو واقعی جو سالکین کیفیات کے متمنی ہین، وہ دیہاتی گڑ خوار ہین، مین تو کہتا ہون کام مین لگو، کیفیات کی ہوس چھوڑ دو، پھر دیکھئے کہ ایک دن وہ

---

[1] وعظ دوار الضیق،

کیفیات نظر آئیں گی، کہ لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علیٰ قلب بشر......

غرض کیفیاتِ روحانیہ تو ضرور ہوتی ہیں، مگر کیفیاتِ نفسانیہ ضرور نہیں، کسی کو ہوتی ہیں، کسی کو نہیں[۱]؛

اصل میں یہ کیفیات بھی راستہ کی دلچسپیاں ہیں، جن کا نفع فقط اتنا ہے، کہ سفر ذرا دلچسپی سے قطع ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی بڑا خطرہ بھی ہے، کہ اکثر کم حوصلہ راستہ کی ان دلچسپیوں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اور سبب اس غلطی کا یہ ہے، کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہیں، کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے، تو ہم پر یہ کیفیات کیوں طاری ہوتیں، حالانکہ یہ تو کفار پر بھی طاری ہوتی ہیں"؛

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجتہدِ فن اور مجددِ وقت تھے، فرمایا کرتے تھے کہ انوار و کیفیات حجاب نورانی ہیں، اور حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے اشد ہے، سالک کو یہ سب حجابات پسِ پشت ڈالنا چاہئے، اُن کی طرف ہرگز التفات نہ کرے، کیونکہ جس شخص کو بادشاہ سے ملنا ہے، وہ نہ بھنگیوں کے مکان پر ٹھہرتا ہے، نہ عطاروں کی دوکان پر، سیدھا تختِ شاہی پر پہنچنا چاہتا ہے، حجابِ ظلمانی بھنگیوں کے مکانات ہیں، اور حجاب نورانی عطاروں کی دوکانات، سالک کو کسی پر نہ ٹھہرنا چاہئے، آگے چلتا رہنا چاہئے، مقصود وراء الوراء ہے،

اے برادر بے نہایت درگہیست   آنچہ بروے می رسی بروے مایست[۲]"

کشف وکرامت کی حقیقت احوال و کیفیات کے اس حال و حقیقت کے بعد کشف و کرامت و تصرف وتوجہ کی بھی حقیقت معلوم کر لیجئے،

"فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کو قرب میں کچھ بھی دخل نہیں، بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے، بعضوں کو نہیں جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی

---

[۱] وعظ دوا العیوب [۲] وعظ تفصیل الاسلام، ص ۴۸،

طور پر دوربین ہوتی ہے، بعضوں کی نزدیک بین، مسجد کے سقاوہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر صرف سقاوہ ہی تک پہنچتی ہے، اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگا، یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے، اس کو قرب سے کیا علاقہ، بعضوں کو کشف سے فطرۃً مناسبت نہیں ہوتی، لاکھ مجاہدہ و ریاضت کریں، عمر بھر کشف نہیں ہوتا، اصل چیز تو عبدیت ہے، واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں، اور پھر وہ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے، تو محسوس کرے گا کہ ذرہ برابر ترقی نہیں ہوئی، برخلاف اس کے اگر دو دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھئے، تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا، اہلِ ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کر لیں[۱]،

کشف قرب و ولایت کی دلیل کیا ہوتا، اس کے لئے تو مومن ہونا بھی شرط نہیں، مومن، کافر، ملحد، دہری سب ہی کو ہو سکتا ہے، جس طرح کچھ جسمانی غیر معمولی قوتیں مشق و ورزش سے پیدا ہو جاتی، یا بڑھ جاتی ہیں، اسی طرح مجاہدہ و ریاضت سے نفس میں کچھ خاص قوت پیدا ہو جاتی، یا بڑھ جاتی ہیں جس سے آج کل کے علماے نفسیات، یا عمل تنویم (ہپناٹزم) وغیرہ کے عامل خوب واقف ہیں،

"غرض کشف کوئی بڑا کمال نہیں، اگر کافر بھی مجاہدہ و ریاضت کرے، تو اس کو بھی ہونے لگتا ہے، نیز مجانین کو بھی کشف ہوتا ہے، صاحبِ شرح اسباب نے لکھا ہے کہ مجنون کو کشف ہوتا ہے، میں نے خود دیکھا کہ ایک مجنونہ کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا، لیکن اس کا مسہل ہوا تو مادہ کے ساتھ ہی کشف بھی نکل گیا[۲]،

اس لئے شریعت میں کشفی علوم کوئی حجت نہیں، اگر کوئی کشف قواعد شرعیہ کے موافق ہے تو

---

[۱] سوانح جلد دوم ص ۸۸ [۲] ایضاً

قابلِ عمل ہوگا، ورنہ واجب الترک ہے، (تعلیم الدین ص ۱۰۰) کشف ہی کی طرح اور بھی کسی خارق یا
خلافِ عادت امر کا کسی میں پایا جانا قرب و ولایت کی دلیل یا لازمہ نہیں،

"خوارق کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں، بعض صحابہ سے عمر بھر میں ایک خرقِ عادت
بھی واقع نہیں ہوا، خوارق اکثر جوگیون سے واقع ہوتے ہین، یہ ثمرہ ریاضت کا ہے، خرقِ
عادت کا مرتبہ ذکرِ قلبی سے بھی کم ہے، صاحبِ عوارف نے غیر اہلِ خوارق کو اہلِ خوارق سے
افضل لکھا ہے، عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے، کہ شریعت پر مستقیم ہون اور بڑا کشف یہ ہے
کہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کرکے اس کے موافق اُن کی تربیت کرین، شیخ اکبر نے لکھا ہے
کہ بعض اہلِ کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامتین ظاہر نہ ہوتین،

(تعلیم الدین ص ۱۰۴)

"بعض صاف گو حضرات کا فیصلہ ہے کہ الکرامات حیض الرجال یعنی جیسے عورت
حیض سے شرماتی ہے، اور اوس کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے، اسی طرح اہل اللہ اپنی
کرامتون سے شرماتے ہین، بہت سے اہل کرامت بزرگون نے تمنا کی کہ کاش ہم سے
کرامت کا صدور نہ ہوتا، وجہ یہ کہ انھون نے بقدر اپنی کرامت کے اپنے درجاتِ آخرت
مین کمی محسوس کی، کیونکہ غیر اہلِ کرامت کو آخرت مین کرامت کا حصہ بھی عطا ہوگا، البتہ
ماذون حضرات مستثنیٰ ہین،[۱]

کرامت کے متعلق رسالہ کرامات امدادیہ مین مستقل بحث فرمائی ہے، جس مین ارشاد ہے کہ
"کرامت اس امر کو کہتے ہین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور
قانونِ عادت سے خارج ہو، اگر وہ امر خلافِ عادت نہین، تو کرامت نہین، اور جس سے

---

[۱] الرفیق فی سواء الطریق ص ۳۱،

وہ امر صادر ہوا ہے، اگر وہ کسی نبی کا اپنے کو متبع نہین کہتا وہ بھی کرامت نہین، جیسے جوگیون
ساحرون وغیرہ سے ایسے امور سرزد ہو جاتے ہین، اور اگر اتباع کا مدعی تو ہے، مگر واقع
مین متبع نہین، خواہ اصول مین خلاف کرتا ہو، جیسے اہلِ بدعت یا فروع مین جیسے فاسق
فاجر، اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو وہ بھی کرامت نہین استدراج ہے،

"بس کرامت وہ کہلائے گی، جب ایسے فعل کا صدور مومن متبع کامل التقویٰ سے ہو،
اب ہمارے زمانہ مین جس شخص سے کوئی عجیب فعل سرزد ہو جاتا ہو، اس کو غوث قطب قرار
دیدیتے ہین، خواہ اس کے عقائد و اعمال کیسے ہی ہون، بزرگون نے تصریح فرمائی ہے
کہ اگر کسی کو ہوا مین اڑتا دیکھو یا پانی پر چلتا، مگر شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل
ہیچ سمجھو"

اور بزرگون نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے، مگر جہان ضرورت ہو یا غیب
سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ قصد و اختیار باقی نہ رہے، یا کسی طالبِ حق وغیرہ
کے یقین کو قوی کرنا مقصود ہو، وہان جائز ہے،

توجہ و تصرف

بھی نہ کوئی مقصود و مامور امر ہے، نہ فی نفسہٖ کوئی کمال و قرب اور نہ ولایت و مقبولیت
کی کوئی علامت، بلکہ نفس و خیال کی ایک قوت ہے، جو خیال و توجہ مین یکسوئی کی مشق سے مقبول کیا
اور دوسرے مردود شخص حاصل کر لے سکتا ہے، پرانے زمانہ مین سحر یا جادوگری اور آج کل کے مسمریزم
اور عمل تنویم (ہپناٹزم) کا بڑا مدار یہی ہے، اسی نفس یا باطن کی قوت سے کسی پر کوئی اثر ڈالنے کا نام
صوفیون کی اصطلاح مین توجہ و تصرف یا ہمت ہے، حضرت علیہ الرحمۃ نے مستقل ایک چھوٹا سا رسالہ
عربی مین بنام رسالۃ التعرف فی تحقیق التصرف تحریر فرما دیا ہے، جس کا خلاصہ آیت نا لا یروح
القدس کی آیت سے استدلال فرما کر ایک قسم کی تائید قرار دیا ہے،

"اور حقیقت اس تائید کی یہ ہے کہ خاص محمود و پسندیدہ کیفیات کو کسی دوسرے پر ڈالنا یا طاری کیا جائے جس سے اس میں خاص آثار پیدا ہو جائیں، یہ آثار مقاصد و اغراض کے اختلاف کی بنا پر مختلف قسم و رنگ کے ہوتے ہیں، اور اس تائید کو اہل تصوف کی اصطلاح میں تصرف توجہ ہمت، اور جمع خاطر کہتے ہیں،

اور یہ قوت تصرف مشائخ میں اکثر مجاہدات و ریاضات نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کشتی لڑنے کی قوت جسمانی ریاضت یا ورزش سے پیدا ہوتی ہے، بعضوں میں فطرۃً بھی یہ قوت ہوتی ہے، مگر یہ صورت بہت کم ہوتی ہے"،

اس قوت کا استعمال اگر کسی محمود یا اچھی غرض کے لئے ہو، جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے، تو اس غرض کے تحت اس تصرف کو بھی محمود سمجھا جائے گا، اور اگر مقصود مذموم بُرا ہے، تو یہ تصرف بھی مذموم ہوگا،

لیکن یہ قوت کوئی دینی کمال بہر حال نہیں، نہ مقبول و مقرب ہونے کی علامت ہے، ہر فاسق و فاجر بھی مشق سے اپنے اندر یہ قوت پیدا کرلے سکتا ہے، بس جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ دوسری بدنی قوتوں کے استعمال کا حکم وحال ہے، وہی اس کا بھی ہے[1]،

نیز اس کے استعمال میں بعض دینی و دنیوی مضرتیں بھی ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا مشورہ اس کے ترک ہی کا ہے،

"دنیوی مضرت تو اس میں یہ ہے کہ اس کے استعمال کی کثرت سے عامل کے دماغی و قلبی قویٰ ضعیف و مضمحل ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے، اور دینی مضرت یہ ہے کہ عوام اس کو ولایت و بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں"

۱ بوادر النوادر ص ۳۲۲،

جو اعتقادی ضرر ہے، اور مریدوں کا ضرر یہ ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں، اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں، جو عملی ضرر ہے،

انہی مضرتوں کی وجہ سے محققین طرق نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے، سلف کے زمانہ میں یہ مضرتیں قویٰ کی مضبوطی فطرت کی سلامتی، اور خوش فہمی کے سبب[1] موجود نہ تھیں (یا بہت کم تھیں)

اس کے علاوہ جو لوگ محض شیخ کی توجہ و تصرف پر قناعت کر لیتے ہیں، تو اس تصرف سے جو کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں، نہ تو ان کا کچھ نفع ہوتا ہے، اور نہ ان کو بقا نصیب ہوتا ہے، اصلی نفع و بقا اپنی ہی محنت و مشقت کی چیزوں میں ہے،

"یاد رکھو کہ پیر صرف رستہ بتلانے کے لئے ہیں، کام کرنے کے لئے نہیں، کام تم کو خود کرنا چاہئے، کوئی شخص طبیب کے پاس جا کر اپنے امراض بیان کرے، اور جب وہ نسخہ تجویز کرے تو اس سے کہے کہ حکیم صاحب میری طرف سے آپ ہی پی لیں، تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی، بس یہی حالت طالبین توجہ کی ہے، کہ مریض تو یہ مگر توجہ کریں بزرگ"

بزرگوں سے جو لوگ خالی دعا و توجہ چاہا کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی حضرت نے ایک بڑی ہی دلچسپ سبق آموز اور عارفانہ حکایت نقل فرمائی ہے، کہ

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب بمبئی تشریف لے گئے، تو ایک سوداگر نے عرض کیا، کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کرے، فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا کہ جس دن جہاز چلے اس دن مجھے اپنے اوپر پورا اختیار دیدو، کہ میں تمہارا

۱ بوادر النوادر ص ۳۲۲،

ہاتھ پکڑ کر جہاز میں بٹھلا دونگا، اور وہ تم کو لے کر روانہ ہو جائے، جب تک یہ نہ ہو صرف بری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے،

"خیال کیجئے ابو طالب جو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں، اور بہت بڑے آپ کے محب کہ جب تمام قریش نے مخالفت کی اور دشمن ہو گئے، اس موقع پر بھی ابو طالب نے ساتھ دیا، ساتھ ہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن سے بہت محبت تھی، اور آپ نے بعد کوشش ان کے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ اُنھوں نے خود ارادہ[1] نہیں کیا، حضورؐ کی کوشش و محبت کچھ بھی اُن کے کام نہ آئی،[2]

ایک اور دقیق و نافع بات

"اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو ہے، مگر بالکل غلط ہے، تمنا دوسری چیز ہے، اور ارادہ دوسری چیز، ایک مرتبہ دو شخص حج کو جانے کا تذکرہ کر رہے تھے، ایک نے کہا بھائی ارادہ تو ہر مسلمان کا ہے، میں نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے، اگر ارادہ ہر مسلمان کا ہوتا، تو ضرور سب حج کر آتے، ہاں یوں کہئے کہ تمنا ہر مسلمان کی ہے، سو نری تمنا سے کام نہیں چلتا، ارادہ کہتے ہیں سامان کے مہیا کرنے کو مثلاً ایک شخص زراعت تو کرنا چاہتا ہو مگر اس کا سامان مہیا نہیں کرتا، اور ایک شخص سامان بھی جمع کر رہا ہے، تو پہلے کو متمنی، دوسرے کو مرید کہیں گے، اسی طرح دو شخص جامع مسجد میں پہنچنا چاہتے ہیں، مگر ایک اپنی جگہ بیٹھا تمنا ظاہر کئے جائے اور دوسرا چلنا شروع کر دے، تو دوسرے کو مرید کہیں گے، اور پہلے کو متمنی جب ارادہ

[1] ارادہ کی یہ اور آگے مثالوں سے جو تحقیق و توضیح فرمائی گئی ہے، یہ وہی ہے جس پر کسی ملانے نہیں عہد حاضر کے بہت بڑے مامور عالم نفسیات ولیم جیمس نے ارادۂ ایمان (Will To Believe) کے نام ایک پوری کتاب لکھ ڈالی ہے [2] الرفیق فی سواء الطریق ص ۵۳،

ہوتا ہے، کام بھی ضرور پورا ہو جاتا ہے، اگر کسی وجہ سے خود قدرت نہیں ہوتی، تو کوئی رہبر مل جاتا ہے کہ جو معین ہو کر کام پورا کر دیتا ہے، اسی لئے کہتے ہیں السعی منی والاتمام من اللہ،

"بعض مرتبہ مرشد کی وجہ سے طالب کے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو خود محنت کرنے سے نہیں پیدا ہوتی، مگر صرف اس کیفیت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اگر خود کچھ نہ کیا جائے، تو یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے آگ کے سامنے بیٹھنے سے بدن گرم ہو جاتا ہے، لیکن گرمی باقی نہیں رہتی، جہاں سامنے سے ہٹ کر ہوا لگی، کہ بدن میں ٹھنڈک پیدا ہو گئی، اسی طرح اس کیفیت میں بھی پیر سے جدا ہوتے ہی (یا توجہ کا اثر کم ہوتے ہی) کورے کے کورے رہ جاتے ہیں،

"اس کے علاوہ اپنی کمائی کی قدر بھی خوب ہوتی ہے، اور مفت کی چیز کی قدر نہیں ہوتی، مشہور ہے کہ ایک شخص ادھوڑی کا جوتا دوشالے سے جھاڑ رہا تھا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا! تو کہا دوشالہ تو میرے والد کی کمائی کا ہے اور جوتا میری کمائی کا،

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد
گوہرے طفلے بقرص نان دہد

"اور جو لوگ اپنے بوتے پر کام کرتے ہیں، اُن کی حالت ساری عمر یکساں رہتی ہے، البتہ ان میں شور و غل اُچھل کود نہیں ہوتی، اور نہ یہ مطلوب ہے،[1]

چنانچہ بزرگی کا معیار لوگوں نے یہ تصرف بھی تراش رکھا ہے، کہ جو شخص آنکھیں چار ہوتے ہی مدہوش کر دے، اُٹھا کر زمین پر پٹک دے، وہ بڑا بزرگ ہے، حالانکہ یہ بالکل لغو ہے، اگر یہ بزرگی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ضرور اس کو برتنا چاہئے تھا،

[1] الرفیق فی سواء الطریق ص ۵۴۔

پھر کیا وجہ ہے کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اُس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ ذرا غافل ہون تو مین نکل جاؤن، کیون نہ آپ نے ایک ہی نگاہ مین سب کو مدہوش کردیا،

بلکہ حضورؐ نے ایسے اوقات مین بھی جو کچھ کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ شانِ عبدیت کی دعا تھی، نہ کوئی توجہ و تصرف جیسا کہ سراقہ کے مشہور واقعہ مین جو آپ کی تلاش و تعاقب مین چلا آ رہا تھا، "آپ نے اس وقت بھی خدائے تعالیٰ سے دعا فرمائی، اللّٰھم اکفنا شرّہ چنانچہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین مین دھنس گیا، سراقہ نے کہا کہ غالباً آپ نے میرے لئے بد دعا کی، درخواست کرتا ہون کہ آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کرین، کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے، اور وعدہ کرتا ہون کہ قریش کو آپ کا پتہ نہ دونگا، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی، اور اس کا گھوڑا زمین سے نکل آیا"

صاحبو! بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی مین ترقی ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت بڑھتی جائے، کیونکہ ولایت مستغنی عن النبوت ہے، افسوس کہ یہ لوگ علماء کی طرف متوجہ نہین ہوتے، اس لئے بہت سی غلطیون مین مبتلا ہو جاتے ہین،[1] (باقی)

[1] الانتقاء فی سوانح ... (حاشیہ)

بغداد اور اس کا تمدّن

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

اہل بغداد کا تمدن اور انکا حسن ذوق

گذشتہ بیانات سے بغداد کی شوکت و عظمت کا اندازہ ہوگیا ہوگا، اس کا تمدن بھی نہایت عظیم الشان اور بڑا دلکش و دلفریب تھا، آئندہ سطرون مین اس کے بعض رُخون کو دکھانے کی کوشش کیجائے گی، صاحب حضارۃ الاسلام نے اہلِ بغداد کے حسنِ ذوق اور اُن کے تمدنی تکلفات اور معاشرتی نفاستون پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے،

"عموماً آسودہ حال طبقہ کے گھرون کے تین حصّے ہوتے تھے، ایک مقاصیر حرم یعنی زنانخانہ، دوسرے دارالسلام جسے دیوان خانہ کہہ سکتے ہین، یہ حصّہ ملاقات اور مہمانون کے لئے ہوتا تھا، تیسرے شاگرد پیشہ کے مکانات، ہر مکان کے متعلق پائین باغ ہوتا، جس مین میوون اور پھل پھول کے درخت ہوتے تھے، اور اُن سب کے گرد چار دیواری ہوتی تھی، مکانون کی چھتین اور دیوارین عموماً سنہرے اور رنگین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھین، سادہ دیوارون کو منقش کپڑون سے منڈھتے تھے، اور دروازون پر دیبا کے پردے آویزان کرتے تھے؛"[1]

باغون کا اتنا شوق تھا کہ مختلف ملکون سے درخت منگا کر لگاتے تھے، بعض باغون کی لاگت

---

[1] حضارۃ الاسلام ص ۲۵، ۲۶،

دس دس ہزار اشرفی تک پہنچ جاتی تھی، ملازمون اور غلامون کے انتخاب مین اُن کے ظاہری حسن کے ساتھ خوش ذوقی اور زندہ دلی کا لحاظ رکھا جاتا تھا، کھانون مین تنوّع، جدّت اور شان امارت کا اتنا شوق غالب تھا کہ بے فصل کی چیزین مثلاً بے موسم کے میوے اور پرندون وغیرہ کے گوشت اس کے ہم وزن چاندی دے کر خریدتے تھے،

گرمیون مین ٹھنڈک اور پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے، آرام گاہون مین مصنوعی طریقہ سے پانی لایا جاتا تھا، جو سنگ مرمر کے ترشے ہوئے درندون اور پرندون کے منہ سے فوارے کی شکل مین جھڑتا تھا، اور اوپر سے پنکھا چلتا تھا اُس سے گرم ہوا کے جھونکے نسیم سحری بن جاتے تھے، غرض لباس و زینت و آرائش حتّٰی کہ گھوڑون کی آرائش تک مین دیبا کی جھولون اور زیورات سے ایسی جدتین پیدا کی تھین کہ دنیا کی کوئی قوم اس درجہ کو نہ پہنچی تھی[۱]"

مکانون مین ٹھنڈک پیدا کرنے کے اور بہت سے طریقے رائج تھے، عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے، ان پر کہگل ہوتی تھی اور دیوار کی پشت، بانسون اور بید کی ٹٹی سے منڈھ دی جاتی تھی، اور اس کے اور دیوار کے درمیان کے خلا مین برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے،

پھر ایک شخص ایوب خدری نے ایک موٹا آب گیر کپڑا جو خیش کے نام سے موسوم تھا، ایجاد کیا، اس کو تر کرکے آرام کے کمرہ کی دیوارون یا قبہ پر منڈھ دیا جاتا تھا، اس سے ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی[۲]

اس سے بھی زیادہ پر تکلف طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے ہوادار کمرے دبیقی (ایک قسم کا کپڑا) سے منڈھ دیئے جاتے تھے، اور درمیان مین ایک قبہ یا چھوٹا حجرہ بنا دیا جاتا تھا، اس کے چارون طرف بانس کے کھپاچ اور بید کی ٹٹی ہوتی تھی، اور دبیقی کو گلاب کافور اور صندل کے عرق مین تر کرکے اُس پر منڈھ دیا جاتا تھا، اور دروازون پر ہوادار اور روشندانون وغیرہ ہوا کے تمام راستون پر برف کے تودے

[۱] حضارۃ الاسلام ص ۹۹ [۲] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ج ۲ ص ۳۰۸

رکھ دیئے جاتے تھے، اور خدام انھین بڑے بڑے پنکھون سے ہوا دیتے تھے، اس سے کمرون مین اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی، اگر گرم کپڑا پہننے کی ضرورت پیش آجاتی تھی لیکن یہ اہتمام صرف اُمراء کر سکتے تھے[۳]

سردیون مین گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانون مین چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے تھے، اور اُن کے گرد لوہے اور لکڑی کے جنگلے بنے ہوتے تھے، ان کے درمیان آتش دانون اور انگیٹھیون مین آگ بھری رہتی تھی، اُن کو خدام دھونکنی سے برابر دہکاتے رہتے تھے، اور چوبی کمرے کے اندر چاندی کی انگیٹھیون مین عود جلتا رہتا تھا، اس سے پورا کمرہ گرم ہو جاتا تھا[۴]

کھانون کے اقسام جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس دور مین کھانون مین بھی بڑے تکلفات پیدا ہو گئے عباسیون کا دسترخوان الوانِ نعمت کا نعمت خانہ تھا، اُن کے نام تو کتابون مین ملتے ہین لیکن آج اُس کی نوعیت بتانا مشکل ہے، اصحابِ لغت کی تشریح سے بھی اس کا صحیح اندازہ نہین ہوتا، اور بہت نام بھی لغت مین نہین ملتے، بعض اقسام یہ ہین،

مُرغ اور پرندون کے گوشت کی مختلف قسمین تھین، جو مختلف طریقون سے پکائے جاتے تھے، اور ان سب کے علحدہ علحدہ نام تھے، بکری، برہ، بھیڑ، گائے، ہرن اور دوسرے مویشیون کے گوشت اور اُن کی مختلف قسمون کا طبقات الاطباء مین تذکرہ ہے، مگر اُن کی تشریح نہین کیجا سکتی ہے،

مچھلی کے گوشت کی بھی مختلف قسمین تھین، صحناۃ چھوٹی بھنی ہوئی مچھلیان (دیکھو تاج العروس) مچھلی کی زبان کا سالن، اس پر بڑا صرف آتا تھا[۵]

ثرید، ہریسہ، اور خبیص، عرب کے آسودہ حال لوگون کے مرغوب پرانے کھانے ہین، جو عباسی عہد مین بھی تھے،

[۳] ابن ابی اصیبعہ نے اسکی پوری تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے، دیکھو طبقات الاطباء ج اول ص ۲۰۱، ۲۰۹
[۴] ایضاً ۱۸ [۵] ایضاً [۶] مروج الذہب مسعودی ج ۲، ص ۳۵۰،

کشکی یا کشک، گیہوں، دودھ اور گوشت ملا کر پکایا جاتا تھا، (تاج العروس)

سکباج گوشت اور سرکہ سے پکتا تھا، حضیرہ ایک قسم کا شوربہ جو چھنے ہوئے دودھ سے پکتا تھا،

عصیدہ آٹے چربی اور مکھن سے پکتا تھا، قلیہ خشک اور شوربے دار دونوں طرح کا ہوتا تھا، قطیفہ بھی

شوربے کی ایک قسم، سنبوسہ، مشہور ہندوستانی سموسہ، فالوذج، یہ فالودہ کا معرب ہے، لیکن ہمارے فالودہ

سے مختلف اور بہت ثقیل اور نمکین ہوتا تھا، اور اس کی حیثیت غذا کی تھی، لوذینج غالباً لوزات اور حلوہ جات،

خشکار، نان خشکہ کا معرب ہے، روٹیوں کی بہت سی قسمیں تھیں، فرن اور جردق، جو غالباً شیرمال اور کلچہ

کے مشابہ تھیں، زیادہ مشہور تھیں، کھانے پر ترکاریاں اور میوے بھی ہوتے تھے،

امراء کے یہاں مکلف کھانوں کے لئے جو مرغ پکائے جاتے تھے، اُن کو کچھ دنوں تک پہلے دانے

اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلائے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا[۴۸]

ہارون رشید کے دسترخوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے، مطبخ کا خرچ دس ہزار

درہم روزانہ تھا[۴۹]، مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا، جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا[۵۰]،

مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا، باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ

تھی[۵۱]، قاہر کے دسترخوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے[۵۲]، ان کے امراء کا دسترخوان بھی بہت

پرتکلف اور وسیع تھا، وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ

ہوتا تھا[۵۳]،

اس کے دو باورچی خانے تھے، ایک عام لنگرخانہ کے لئے دوسرا خاص، مطبخ عام میں نوے بکریاں تیس

برے، دو سو مرغیاں، دو سو چوزے اور دو سو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے، نان بزرات دن، نان سمید

---

[۴۸] طبقات الاطباء ج اول ص ۱۹۰، [۴۹] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ج ۲ ص ۴۰۶، [۵۰] الفخری ص ۲۱۰،
[۵۱] کتاب الوزراء صابی ص ۱۶، ۲۰، [۵۲] طبری ج ۱۱ ص ۱۹۳، [۵۳] کتاب الوزراء صابی ص ۳۵۲،

اور میٹھا پکانے میں مشغول رہتے تھے، آبدار خانہ میں ہر وقت برف کے پانی کا انتظام رہتا تھا، خدام

صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہاتھوں میں تولیے اور آبخورے لئے موجود رہتے تھے، جو ہر آنے جانے والے

کو سکنجبین یا اور کوئی ہاضم چیز ملا ہوا پانی پلاتے تھے[۵۴]،

تقریبات کے موقع پر بعض دن میں پانچ پانسو من برف صرف ہوتی تھی[۵۵]،

عباسی عہد کے ایک شاعر حمانی نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن سلیمان بن علی عباسی کے دسترخوان

کے کھانوں کے تنوع کو نظم کیا ہے،

جاؤا بخیرٍ نتی لهم ملوّن	بات یسقی خالص المصون
مصوّمع اکرم ذی غضون	قد حشیت بالسکر المطحون
ولوّنوا ما شئت من تلوین	من بارد الطعام و السخین
ومن شراسیف ومن طرذین	ومن ہلام و مصیص جون
ومن اوز فائق سمین	ومن دجاج قت بالعجین
فالشم فی الظهور والبطون	واتبعوا ذالک بالجوزین
وبالخبیص الرطب والوزین	وفكهوا بعنبٍ و تین

والرطب الازاذ والعیرون[۵۶]

خطیب کی کتاب التطفیل میں بہت سے کھانوں کے نام ملتے ہیں،

دسترخوان کی آرایش اور کھانے کے آداب و طریقے

اونچے طبقہ میں دعوت اور تقریبات کے موقع پر تمام ظروف طلائی اور نقرئی

ہوتے تھے، صابی نے ابن فرات کی ایک محفل سرود کا ذکر کیا ہے اس میں برگ

---

[۵۴] کتاب الوزراء صابی ص ۱۹۴، [۵۵] کتاب الوزراء صابی ص ۱۲۳،
[۵۶] ضحی الاسلام ج اول ص ۱۲۲،

قیمتی طلائی اور نقرئی ظروف تھے[1]،

کھانے سے پہلے حاضرین کی فواکہات سے تواضع کیجاتی تھی، اور سب کے سامنے میوہ جات کا ایک ایک طبق پیش کیا جاتا، درمیان مین ایک کشتی مین علحدہ میوے بھر کر رکھ دیئیے جاتے تھے، ہر طبق کے ساتھ میوہ کاٹنے کی چھری اور چھلکے اور گٹھلی رکھنے کے لیے شیشہ کی تشتری ہوتی تھی، میوہ خوری کے بعد طبق اٹھائے جاتے تھے، اور ہاتھ دھونے کے لئے سلاپچی پیش کیجاتی تھی، ہاتھ دھونے کے بعد دسترخوان بچھتا تھا، اور سرپوش سے ڈھکے ہوئے کھانون کے خوان آتے، اُن پر دیبا کے خوان پوش پڑے ہوتے تھے، اور اُن کے نیچے چمڑا بچھا ہوتا تھا، اور ہاتھ منہ صاف کرنے کے لئے رومال اور تولئے رکھے ہوتے تھے،

کھانے کی قسمین یکے بعد دیگرے سامنے آتی تھین، اور اس کا سلسلہ دو گھنٹہ تک جاری رہتا، کھانے کے دوران مین میزبان لطف و مدارات کی باتین کرتا رہتا، دسترخوان اُٹھنے کے بعد آبدارخانہ مین جو کھانے کے کمرے کے متصل ہوتا تھا، ہاتھ منہ دھویا جاتا، خدام پانی ڈالتے، اور ریشمی تولیہ سے پانی پوچھنے کے بعد عرق گلاب کے شیشے پیش کئے جاتے تھے جو ہاتھ اور منہ پر ملا جاتا تھا[2]،

نبیذ نوشی کے تکلفات

بنی عباس کے زمانہ مین نبیذ نوشی کا عام رواج تھا، اس موقع پر ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے، عربی مین "شراب" مطلق پینے کی چیز کو کہتے ہین، چنانچہ شربت کے لئے بھی شراب ہی کا لفظ ہے، اسی طریقہ سے "شرب" مطلق پینے کو کہتے ہین، خواہ وہ آبِ زمزم ہی کیون نہ ہو، اردو کی شراب کے لئے عربی مین خمر کا لفظ ہے، لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہین ہین، اُن کو شرب یا شراب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکا ہوتا ہے، جو صحیح نہین ہے، اور یہ دھوکا اچھے اچھون کو ہو جاتا ہے اور وہ نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہین، بعض عباسی خلفاء کے علاوہ، جن کی بادہ نوشی مسلم ہے، باقی اکثر خلفاء بلکہ تقریبًا کل اس ام الخبائث سے محترز تھے، البتہ نبیذ کی بعض ہلکی قسمین جو نشہ آور نہ تھین بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں جنکو قریب قریب

---

[1] کتاب الوزراء صابی ص ۲۰۱ [2] ایضاً ص ۲۴۰،

سب خلفاء، اور امراء بڑے اہتمام سے پیتے تھے، نبیذ نوشی کے جام و مینا و ساغر، جملہ سامان طلائی اور بلور کے ہوتے تھے، جس کا تذکرہ بکثرت تاریخون مین ہے، موفق جب پینے کے لئے بیٹھتا تو پہلے ہاتھ دھونے کیلئے طشت، اور سونے کی کشتی مین بلور کے جام و مینا لگا کر پیش کئے جاتے[3]،

خلفاء اور امراء نے نبیذ نوشی کی محفلون کی زیب و زینت مین بڑے تفنن پیدا کئے، بعض محفلون کا ذکر تاریخون مین بھی ملتا ہے، جس سے ان کی نفاست و لطافت اور تکلفات کا اندازہ ہوتا ہے، ابو جعفر بن حمدون کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ راضی باللہ نے ایک مقام کو فرش و فروش سے آراستہ اور گلاب و نیلوفر کے پھولون سے سجانے کا حکم دیا، اس حکم کی فورًا تعمیل ہوئی، محفل کی آراستگی کے بعد راضی آیا، اور پھولون کے انبار دیکھکر بولا، خالی پھول اچھے نہین معلوم ہوتے، اور ان پر کافور چھڑکنے کا حکم دیا، خدام نے فورًا طلائی سینیون مین بھر بھر کر کافور کا سفوف چھڑکنا شروع کیا، اور اتنا چھڑکا کہ کافور کی سپیدی سے پھولون کی رنگت دب گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ روئی دھنک دی گئی ہے، یا کسی باغ پر برف باری ہوئی ہے، اندازًا ایک ہزار مثقال کافور چھڑکا گیا تھا، محفل برخاست ہونے کے بعد راضی نے کافور لوٹنے کا حکم دیا، اس حکم پر خدام نے کافور کے انبار جمع کر لیے[4]،

ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ محفلِ شرب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہئے، اسکی اس طرح تعمیل کی گئی، کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا، اور اس مین زرد دیبا کے پردے آویزان کئے گئے، اور اسی کا فرش بچھایا گیا، حوض کے چارون طرف چھوٹی چھوٹی نہرین روان تھین، ان کے پانی مین زعفران گھولا گیا، اور متوکل کے سامنے زرد دستنبو (ایک قسم کی خوشبو) لیمون اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی مین لگا کر پیش کی گئی، اس مجلس مین جو لونڈیان شریک تھین، اُن کا لباس زرد کتان کا تھا، اس اہتمام مین کئی ہزار اشرفیان صرف ہوئین[5]،

---

[3] طبقات الاطباء جلد اول ص ۲۰۲ [4] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴، و ۱۴۵ [5] ایضاً ص ۱۴۶ و ۱۴۷

ایک مرتبہ عباسی وزیر مہلبی نے بھی اسی قسم کی ایک بزم طرب کی آراستگی مین تین دن کے اندر ایک ہزار دینار کے گلاب کے پھول اور عرق گلاب صرف کیا، عرق گلاب حوض مین بھرا جاتا تھا اور فواروں سے چھوٹتا تھا،

ابو عبداللہ بریدی والی بصرہ نے ایک مرتبہ اسی قسم کی ایک بزم نشاط کی ترتیب مین ند (ایک قسم کی خوشبو) اور کافور پر بیس ہزار درہم صرف کئے،[1]

لباس | اونچے تمدن اور بلند معاشرت کا ایک مظہر لباس کا حُسن اور اس کی نفاست بھی ہے، اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش لباس تھے، اور اُن کی وضع قطع اور تراش و خراش دوسرون کے لئے نمونہ سمجھی جاتی تھی، بغداد ریشمی اور سوتی پارچہ بافی کی صنعت و تجارت کا بڑا مرکز تھا، اوس کے ایک محلہ عتابیہ مین مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے، جو محلہ کے نام کی نسبت سے عتابی کہلاتے تھے[2]

ریشمی کپڑون کی صنعت اور تجارت اتنی وسیع پیمانہ پر تھی اور اس کے ٹکس کی آمدنی اتنی تھی، کہ حکومت مین اس کا مستقل محکمہ قائم تھا، اور کارخانون مین جس قدر تھان تیار ہوتے تھے، ان پر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی[3]، اس کے علاوہ مختلف اسلامی ممالک کے بہترین کپڑے بغداد آتے تھے، ابو الطیب محمد اسحاق المعروف بہ وشاء بغدادی نے خوش لباس طبقہ کے لباس اور کپڑون کی تفصیل لکھی ہے، لیکن ان مین سے بہت سے کپڑون اور لباسون کے نام ایرانی ہین جو موجودہ کتب لغت مین نہین ملتے اور بعض کا ترجمہ نہین ہو سکتا، تاہم ان سے لباس اور وضع و قطع وغیرہ کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے، وشاء کے بیان کا خلاصہ یہ ہے، کہ خوش لباس عموماً باریک کپڑے کے چھوٹے کرتے، قہستان کے کپڑے کی نیمایین درجرد اور اسکندریہ کے زیر پوش، دبیقی اور جبابہ کے اعلیٰ درجہ کے نرم اور خوش رنگ کتان کی قمیصین، نیشاپور کے ملحم (ایک قسم کا کپڑا) دبیق کے اک رنگے اُدھ اور توس کی طیلسان (چادرین) عدن کی ولایتی کرتی خز اور سوس کی حاشیہ دار چادرین نیشاپور کے دھاگے دار

---

[1] نشوار المحاضرہ ص ۲ ۱۴ و ۱۴۰، [2] سفرنامۂ ابن جبیر ص ۲۲۶، [3] کتاب الوزراء ص ۱۹۸

اک رنگے بنی سعد کی چھینٹ، کوفی خز کے جبے، دھوپ چھاؤن کی کتان اور دوسرے ایرانی لباس استعمال کرتے تھے،

زیادہ شوخ اور بھڑکیلے رنگ : مثلاً زعفران یا دوسرے شوخ رنگون مین رنگے ہوئے کپڑے عورتون لونڈیون، اور گانے والی عورتون کے ساتھ مخصوص تھے، مردون مین ان کا استعمال معیوب تھا، البتہ فصد لینے، علاج کے موقع پر بادہ نوشی کی محفلون اور خلوت کی صحبتون مین مشک مین رنگے ہوئے کپڑون، عنبر مین رنگی ہوئی قمیصون، رنگین چادرون، اور زعفرانی ازار کے استعمال مین مضائقہ نہ تھا، اس قسم کے لباس لطف و نشاط کی مجلسون اور بے تکلف صحبتون مین استعمال کئے جا سکتے تھے، انھین پہن کر گھر کے باہر نکلنا معیوب تھا، کپڑون مین تناسب کا لحاظ ضروری تھا، بے جوڑ کپڑے مثلاً ایک میلے کپڑے کے ساتھ دوسرا دھلا ہوا یا دھلے ہوئے کے ساتھ نیا کپڑا یا دیبا کے ساتھ مرو ی (ایک معمولی کپڑا) کا استعمال معیوب تھا، عمدہ لباس وہی سمجھا جاتا تھا، جو متناسب ہو،

مردون کا عام لباس چھوٹا کرتا یا لمبی قمیص، جُبہ، موزہ اور عمامہ تھا، خواص زیادہ تر ایرانی لباس پہنتے تھے، جس کو منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا،

ایرانیون کی تقلید مین اونچی ٹوپیون کا زیادہ رواج تھا، قاضیون کی ٹوپیان بڑی لمبی لمبی ہوتی تھین، خلفاء ٹوپیون پر عمامہ باندھتے تھے، فقہاء، قضاۃ، اعراب، حکام، اور عوام سب کا لباس جداجدا تھا، سرکاری لباس سیاہ تھا، اور خلفاء کے دربار مین حضوری کے لئے سیاہ لباس ضروری تھا،

عورتین دخانی کپڑے کے کرتے، رشیدی چادرین، چھوٹی بوٹی کی دھوپ چھاؤن چادرین، بڑی چادر رنگین کتان، حریر، نیشاپوری مقنع، خراسانی کتان کے ازار، گریبان دار، گلوبند جربانات المخانقیہ، سپید ڈھیلے پاجامے، سربند استعمال کرتی تھین، سپید رنگ کے کپڑون کا استعمال سہاگنون مین

---

[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاج بالالوان جو اس زمانہ کی ایجاد سمجھا جاتا ہے قدیم زمانے سے رائج تھا، [2] کتاب الموشیٰ ص ۱۳۴، [3] وہ چھوٹی رنگی رومال جو عورتین سر اور پیشانی پر باندھتی تھین آج بھی عرب عورتون مین رائج ہے،

ناپسندیدہ تھا، اور وہ بیواؤن اور مطلقہ کا لباس سمجھا جاتا تھا، سہاگن عورتین، رنگین لباس استعمال کرتی تھین، اور سپید کپڑون کو مشک، عنبر، صندل، اور سنبل وغیرہ مین رنگ کر استعمال کرتی تھین، سرخ زرد، سبز، سیاہ، گلابی، اور سرخ رنگ کے رنگے ہوے کپڑے زیادہ تر ادنیٰ درجہ کی نبطی عورتین اور مغنیہ استعمال کرتی تھین، اور یہ رنگ معزز خواتین مین معیوب تھے، لیکن جن کپڑون کا اصلی رنگ یہی ہوتا، اُن کے استعمال مین مضائقہ نہ تھا، مثلاً نگمین، لاذ یا حریر اور خز وغیرہ[1]

عیسائی عورتون کے اثر سے مسلمان عورتون مین زنار یعنی کردھنی یا کمر مین باندھنے کی ریشمی پٹیان بھی رائج ہوگئی تھین، جو ہلکے رنگ کی سادہ اور منقش دونون ہوتی تھین تاج نما ٹوپیان بھی استعمال کرتی تھین، جن مین موتی اور نگینے وغیرہ جڑے ہوتے، اور پیشانی پر ریشم اور کلابتو کے کام کی پٹیان باندھتی تھین،

عطریات اور خوشبوئین عطریات اور خوشبوؤن سے بڑا ذوق تھا،

شوقین مزاج مشک اور گلاب کا محلول لونگ کے پانی مین بھگویا ہوا عنبر آمیز غونہ سلانی (ایک قسم کی خوشبو) بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئین استعمال کرتے تھے، مشک و زعفران آمیز پان کا کافور کا بخور جلاتے تھے، عورتون اور بچون کی خوشبوئین علیحدہ تھین، اُن سے مرد پرہیز کرتے تھے، (کتاب الموشی ص ۱۲۵ و ۱۲۶)

مکان کی فضا معطر کرنے کے لئے کفگیرون، روشن دانون اور طاقچون وغیرہ مین مختلف قسم کے خوشبودار پھل پھول، کافور صندل، گلاب، نخلخہ، خلوق، اور ند وغیرہ خوشبودار چیزین رکھدی جاتی تھین، جن سے سارا مکان مہک اٹھتا تھا،[3]

جب خلفا، باغ مین سیر و تفریح کے لئے جاتے تھے، تو کھاد کی بو دور کرنے کے لئے درختون کی جڑون مین مشک چھڑک دیا جاتا تھا،[4]

۱؎ کتاب الموشی ص ۱۲۶، جن لباسون کے معنی لغت مین نہ مل سکے، انکو چھوڑ دیا گیا ہے ۲؎ طبقات الاطبا ج اول ص ۱۴۱ ۳؎ نشوار المحاضرہ ص ۱۴۴،

خلیفہ مقتدر کی مان کے لئے ریشم کی جوتیان بنتی تھین، اور اُن کی تہ مین مشک وغیرہ پیس کر جمایا جاتا تھا، دس دن سے زیادہ ایک جوتی استعمال نہ کرتی تھی، اس کے بعد ملازمین مشک وغیرہ نکال لیتے تھے[1] انتہا یہ ہے کہ بیت الخلاء تک مین خوشبو کا انتظام رہتا تھا، ہارونی دور کے ایک مشہور اور نابینا عالم ابو معاویہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون حج کے لئے مکہ آیا، مین اوس سے ملنے گیا، تو مجھے بیت الخلا جانے کی ضرورت محسوس ہوئی، ہارون نے شہزادہ مامون اور امین سے کہا، کہ اپنے چچا کو بیت الخلاء پہنچادو، انھون نے ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیا، یہان نہایت عمدہ خوشبو آرہی تھی[2]، اس واقعہ سے جہان ہارون کے تعیش کا اندازہ ہوتا ہے، وہان اسکی علما نوازی اور قدردانی کا بھی ثبوت ملتا ہے،

ذوق شعری اُن کے ذوق شعری اور جذبات لطیفہ کے مظاہر اُن کے مختلف سامانون مین نظر آتے تھے، چنانچہ کپڑون قمیص کے دامنون چادر کے حاشیون، آستینون، عورتون کے پیشانی بندھنے کی پٹیون، کردھنیون، جوتون، موزون، رومالون، فرش و فروش تکیون، پردون نشست کے چبوترون، جلسہ گاہون مقصورون، قبون، گدّون، پیالون، پیمانون، سونے چاندی اور چینی کے برتنون، آلاتِ موسیقی اور دوسرے مختلف سامانون پر اُن کے مناسب نہایت موزون اشعار تحریر ہوتے تھے، خصوصاً عورتون اور لونڈیون کے لباسون اور زیب و زینت کے سامانون پر نہایت عمدہ عاشقانہ اشعار لکھے تھے، لونڈیون کے رخسارون اور پیشانیون پر مشک زعفران اور سنہرے رنگ سے نہایت دلکش اشعار لکھے جاتے تھے، محمد بن اسحٰق نے کتاب الموشی مین اسکی پوری تفصیل لکھی ہے اور اشعار بھی نقل کئے ہین،

تقریبات کی اولوالعزمیان تقریبات مین اس اولوالعزمی اور حوصلہ سے کام لیتے تھے، کہ اسراف کی حد سے بھی بڑھ جاتا تھا، وزیر دولت حسن بن سہل کی لڑکی کی شادی مامون کے ساتھ جس شان و شوکت کیساتھ ہوئی، وہ تاریخ مین یادگار ہے، ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس تقریب مین حسن نے جس حوصلہ سے مدارات

۱؎ نشوار المحاضرہ ص ۱۴۳ ۲؎ تاریخ خطیب ج ۵ ص ۲۴۳،

کی اور لطف و تفریح کے جو سامان مہیا کئے، اس کی مثال گذشتہ زمانہ مین نہین ملتی، ہاشمی امراء افسران فوج کاتبون اور دوسرے بڑے بڑے عہدہ دارون مین مشک کی گولیان لٹائی گئین، ہر گولی مین کاغذ کا پرزہ لپٹا ہوا تھا جس مین زمین جائداد، لونڈی، غلام، گھوڑے، اور مختلف چیزین لکھی ہوئی تھین، جس کے ہاتھ جو گولی پڑی تھی، اس مین جو کچھ تحریر ہوتا تھا، اسی وقت مل جاتا تھا، عام لوگون مین روپیہ پیسہ اور مشک وغیرہ کے گولے لٹائے گئے، بارات مین بے شمار آدمی تھے، اُن مین بڑے بڑے امراء اور افسرون سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ملازمین تک کوئی بھی محروم نہین رہا،

شادی کے بعد مامون مع بارات کے انیس دن سسرال مین رہا، حسن بن سہل نے اس پوری مدت مین بارات کی بڑی فیاضی سے مدارات کی، رخصتی کے وقت تمام امراء و عمائد کو علحدہ انعامات دیئے، مامون کیلئے سنہری کام کا فرش بچھایا گیا تھا، جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا، اس کے اوپر بڑے بڑے موتی نچھاور کئے، شب عروسی کی روشنی مین چالیس من موم بتیان سونے کی لگنون مین روشن کی گئی تھین[1]

مقتدر کی ماں نے اپنے صغیر السن پوتے کی ایک تقریب مین چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤن بنوایا تھا جس کے مکانات، کھیت، فصلین، درخت، پھل، تالاب، نہرین، گائے، بیل، گھوڑے، اونٹ اور دوسرے مویشی وغیرہ وہ تمام چیزین جو گاؤن مین ہوتی ہین چاندی کی تھین[2]،

اس تقریب مین مقتدر نے وزیر ابن فرات کو کھانے کے تین خوان بھیجے تھے، بڑا خوان پچاس بالشت کا تھا، اس کو کئی خادم اٹھائے ہوئے تھے، دو تھال طلائی کام چوبی کے، ایک تھال سبز اور تین سپید ریشمی کپڑون کے، اور ایک سونے کی سینی مین دینار سرخ، اور سونے کے بنے ہوئے بادام اخروٹ پستے، اور دو منہ بھرے تھے، جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی تھی[3]،

اس زمانہ مین موسم کے میوون اور پھلون کے تحفہ کا عام رواج تھا، صاحب استطاعت خوش ذوق

۱؎ ابن خلکان ج اول ص ۳۰۳، ۲؎ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۱۲۰، ۳؎ کتاب الوزراء ص ۲۵،

تھا، اس قسم کی فیاضیان کرتے تھے، بصرہ کے ایک شخص کا بیان ہو کہ بغداد کا ایک دلال بڑا مسرف تھا، ایک شب کو مجھے راستہ مین ملا، اس وقت وہ بغداد کی مشہور مغنیہ بریعہ کے یہان جا رہا تھا، مجھکو اس کی آستین کے اندر کچھ بھرا ہوا معلوم ہوا، مین نے پوچھا کیا ہے؟ اُس نے کہا خراسان کی مخلط (ایک قسم کی خوشبو)، تحفہ اس کو لیجا کر بریعہ پر تصدق کرون گا، مین نے کہا تھوڑی سی مجھے بھی دے دو، اوس نے تھوڑا سا نکال کر میری آستین مین ڈال دیا، مین بغیر دیکھے لئے ہوئے گھر چلا آیا، یہان آکر دیکھا تو سونے کے بادام، چاندی کی شکر، عنبر کے پتے، اور ند کے منقی تھے، اس لئے دوسرے دن لیجا کر مین نے اوس کو واپس کرنا چاہا، اس نے کہا یہ واپس کرنے کی کونسی چیز ہو، میرے پاس جس قدر تھا سب بریعہ اور اسکی لونڈیون مین تقسیم کر دیا[1]،

مقتدر باللہ کا ایک دربار

قومون اور حکومتون کے دور زوال مین اُن کے تمدنی تکلفات عہد عروج سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہین، یہی حال عباسی دور کا بھی تھا، گو سیاسی اور تمدنی دونون حیثیتون سے ہارون رشید کا زمانہ، دولت عباسیہ کا دور زرین شمار کیا جاتا ہے، لیکن دور زوال کے خلفاء کا ظاہری ٹھاٹھ اور زندگی کے تکلفات اس دور سے بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، اور اوس کا سب سے بڑا نمونہ مقتدر باللہ (۲۹۵ھ - ۳۲۰ھ) تھا، اس کی سیاسی قوت کا یہ حال تھا، کہ اس کا پورا زمانہ شورش و انقلاب مین گذرا، دو مرتبہ تخت سے اوتارا گیا، اور تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونا پڑا، لیکن ظاہری شان و شکوہ اور تمدنی تکلفات مین اوس نے ہارونی عہد کو بھی ماند کر دیا تھا،

عباسی دور کے مشہور ادیب و کاتب ہلال بن محسن صابی نے کتاب الوزراء مین اس کی شان و شوکت کے نہایت مفصل حالات لکھے ہین، مگر وہ بہت طویل ہین، اس کے ایک دربار کا حال جو اس نے ۳۰۵ھ مین رومی سفیرون کی آمد کے سلسلہ مین منعقد کیا تھا، اکثر مورخون نے تحریر کیا ہے، اس سے دربار کی شان و شوکت اور تمدنی تکلفات کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس لئے مورخ خطیب کے بیان سے

۱؎ نشوار المحاضرہ ص ۹۹،

نقل کیا جاتا ہے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد مین بہ کثرت شاہی محلات تھے، اور مقتدر کے زمانہ مین ان کی تعداد اور بڑھ گئی تھی، اس دربار کے موقع پر ۲۳ محل آراستہ کئے گئے تھے، اور اُن کا کوئی گلی کوچہ اور بام و در زینت و آرایش سے خالی نہ تھا، فرش و فروش کی تعداد بائیس ہزار اور پردون کی تعداد جو دروازون اور دوسرے مقامون پر آویزان کئے گئے تھے، اڑتیس ہزار تھی، یہ تمام پردے کارچوبی اور زرنگار تھے جن پر مختلف حیوانات اور پرندون کی تصویرین اور نقش و نگار کڑھے ہوئے تھے،

محلون کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلح فوجین صف بستہ تھین، اور خاص قصر خلافت کے دروازہ پر پانچ پانچ سو زرین پوش سوار تھے، جن کے گھوڑون کے ساز نقرئی و طلائی اور اُن پر دیبا کی جھولین پڑی ہوئی تھین، ہر گھوڑے کی لگام ایک وردی پوش سائیس کے ہاتھ مین تھی، محلون کے اندر بارہ ہزار غلام اور خدام شاہی زرق برق وردیون مین ملبوس زرین پٹکون مین تلوارین لٹکائے جگہ جگہ متعین تھے،

قصر جوسق سے متعلق ایک باغ تھا، اس مین ایک وسیع حوض تھا جس کے چارون طرف چھوٹی چھوٹی نہرین نکلی تھین، اس حوض اور نہرون مین پارے کی قلعی تھی جس کی چمک سے پانی مین سیال چاندی کا دھوکا ہوتا تھا، حوض مین ساز و سامان سے آراستہ چار چھوٹی چھوٹی کشتیان تھین جن مین دیبا کے زرین گدے لگے اور اُن پر ریشمی کپڑے پڑے ہوتے تھے، باغ مین صرف کھجور کے پانسو درختون کی قطارین تھین، اور یہ سب درخت ایک قد کے تھے، اور اُن کے تنون پر منقش ساج کی لکڑی منڈھی ہوئی تھی، ایک عمارۃ دار الشجرہ کے نام سے موسوم تھی، اس کے وسط مین ایک حوض تھا، حوض مین ایک درخت نصب تھا جس کی شاخین سونے اور چاندی کی، اور پھول پتے مختلف الالوان جواہرات کے تھے، شاخون پر سونے کی چڑیان بیٹھی تھین، اُن مین یہ صنعت رکھی گئی تھی، کہ شاخین ہوا کی جنبش سے اصلی شاخون کی طرح جھومتی تھین، اور چڑیان ہوا بھرنے سے چہچہاتی تھین،

اس سے متصل پندرہ نیزہ بردار سوارون کے بالمقابل مجسمے تھے، جو مصنوعی طریقہ سے اس طرح حرکت کرتے تھے، کہ دیکھنے والون کو معلوم ہوتا تھا، کہ اپنے مقابل پر حملہ کر رہے ہین،

قصر فردوس آرایش و زیبایش کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ معلوم ہوتا تھا، اس مین سونے کے دس ہزار جوشن، خود، زرہین، اور دوسرے اسلحہ آویزان تھے، اس کے سامنے دجلہ مین رنگ برنگ کی کشتیان اور بجرے روان تھے،

شاہی محل سے متعلق ایک جانور خانہ تھا، اس کے وحشی چوپائے اس قدر سدھے ہوئے تھے، کہ قریب آکر ہاتھون سے روٹی اور چارہ لیتے تھے، ایک سو درندے تھے جن کی گردنون مین زنجیرین پڑی تھین،

ارکین و عمائد سلطنت کے محلات اتنے آراستہ و پیراستہ تھے کہ ان پر قصر خلافت کا دھوکا ہوتا تھا، چنانچہ جب رومی سفیر حاجب نصر القشوری کے محل مین پہنچا تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر اس کو خلیفہ کا قصر سمجھا، اس کے بعد وزیر ابن فرات کے محل کی عظمت و شان اور زینت و آرایش کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا، کہ یہ ضرور خلیفہ کا محل ہو گا، مگر اسے یہ سن کر سخت حیرت ہوئی کہ خلیفہ کا نہین، بلکہ وزیر کا محل ہے،

خود مقتدر دجلہ کے کنارہ قصر التاج مین تھا، اس کی زینت و آرایش حد توصیف سے خارج تھی، وہ آبنوس کے مرصع تخت پر بیٹھا تھا، اس کے داہنے بائین جواہرات کے اٹھارہ ہار آویزان تھے، یہ جواہرات بڑے گرانبہا، اور سب ایک قد کے تھے، اُن کی چمک سے رات کو دن کا عالم نظر آتا تھا،[۱]

خلفاء کی بیویون کے تکلفات اور عیش و تنعم کے سامان کی کوئی انتہا نہ تھی، ہارون کی بیوی زبیدہ کے لئے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا، جس مین یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، اس کی قیمت دس لاکھ تھی،

[۱] خطیب نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے، تفصیل کیلئے دیکھو کتاب مذکور جلد اول ص ۱۰۰ تا ۱۰۴

اسی طریقہ سے مستعین کی مان نے ایک فرش بنوایا تھا، اس مین سونے کے تارون سے حیوانات اور طیور کی تصویرین کاڑھی گئی تھین اور اُن کی آنکھون مین یاقوت اور جواہرات جڑے تھے، اس کی قیمت کئی کرور روپیہ تھی" (المستطرف ج اول ص ۱۳۴)

اہل بغداد کی عام زندگی

بغداد نہایت دولت مند اور اسی کے ساتھ بڑا ارزان شہر تھا، ایک غریب آدمی ایک پیسہ روز مین آسانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا، اس لئے فارغ البالی اور خوشحالی صرف طبقہ امرا کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق ہر طبقہ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرتا تھا، اور پورا بغداد گہوارۂ عیش تھا،

ابن ہلال کا بیان ہے کہ مین اپنے گھر محلہ باب المراتب سے سوار ہوکر نکلتا، اور محلہ شماسیہ مین معزالدولہ کے محل تک چلا جاتا، اس طویل مسافت مین مسلسل بازار، آباد محلے اور گھنے درختون کی چھاؤن تھی، یہی حال مغربی سمت کا تھا، دجلہ کے ساحل پر دورویہ عمارتین، مرتب باغات اور چھوٹی نہرون کا جال بچھا ہوا تھا، اور کوئی گھر موسیقی کے ترانون اور لطف و مسرت کے شادیانون سے خالی نہ ملتا تھا،

ابو الوفا ابن عقیل کا بیان ہے کہ ساحلی حصہ کی آبادی کے مکانون کے سامنے دجلہ لہرین مارتا تھا، گھرون کے سامنے کی چھوٹی نہرون مین بطین خوش فعلیان کرتی تھین، اور موسیقی کے ترانے دجلہ سے چلنے والی آبی چکیون اور چرخیون اور گھر کے لونڈی غلامون کی آوازین مل کر عجیب لطف پیدا کرتی تھین،...... مجھے اکثر بجرے مین ان مکانون کے سامنے سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے، باب الطاق سے لیکر باب المراتب تک ہر مکان مین موسیقی کے نغمے گونجا کرتے تھے، ساحلی مکانات مین ہر مکان کے سامنے صاحب خانہ کے خوبصورت بجرے تیرا کرتے تھے، اور خشکی کے رُخ کے دروازون پر سامان سے آراستہ سواری تیار رہتی تھی، ان کی پرلطف زندگی سے معلوم ہوتا تھا، کہ ہر دن کوئی تقریب ہے اسی کے ساتھ ہر گھر مین قرأت کی مجلسین بھی ہوتی تھین، اور خوش الحان قاری کرسیون پر بیٹھ کر

قرأت کرتے تھے،[1]

عوام کی تفریحات اور دلچسپیان جدا تھین، اور وہ خواص کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہتی تھین، ان مین کشتی رانی اور تیراکی کا عام مذاق تھا، اور وہ اسمین طرح طرح کے کمالات دکھاتے تھے، مثلاً تیراک جلتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ مین لے کر تیرتا تھا، اور اس پر ہانڈی مین گوشت پکتا رہتا تھا، اور اس وقت تک تیرتا رہتا جب تک گوشت نہ تیار ہو جاتا،[1] عوام مین مضحکات اور مسخرے پن کا بڑا مذاق تھا، اور ان کی مخصوص مجلسین ہوتی تھین، اس مذاق نے مسخرون کی ایک جماعت پیدا کر دی، جو مضحکین کہلاتے تھے، اور اپنے مضحکات سے عوام کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے تھے، ہارون رشید کے زمانہ مین ابن ابی مریم معتصم کے عہد مین ابراہیم الحفنی اور متوکل کے دور مین عبادالمخنث مشہور مسخرے تھے، اُن کے واقعات اغانی مین مذکور ہین،

آداب و تہذیب

تہذیب و تمدن محض مادی سر و سامان اور تعیش و تنعم کے تکلفات کا نام نہین، اس کی اصلی روح اخلاق کی تہذیب و شایستگی ہے، اس اعتبار سے بھی عباسی تہذیب نہایت بلند تھی، اور اخلاقی حیثیت سے اس کے خاص خاص آداب تھے، جس کی پابندی ہر مہذب شخص کے لئے ضروری تھی، اور یہ آداب محض رسمی تکلفات تک محدود نہ تھے، بلکہ اس مین اخلاقی عناصر بھی تھے، اس تہذیب کا مرکز بغداد تھا، اور اس کے لئے "تظرف" "ظرف" اور "ظریف" کی اصطلاح تھی، اس کے مفہوم مین تہذیب کے ظاہری آداب و معنوی خصوصیات سب داخل ہین، ابو الطیب محمد بن اسحاق المعروف بہ وشاء نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب الموشیٰ لکھی ہے، جس مین اس کے تمام اجزا تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہین، ان سب کو نقل کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لئے آیندہ سطور مین اس کے ایک باب کا جس مین مہذب اور شایستہ انسانون کے اوصاف بیان کئے گئے ہین خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہین :-

---

[1] مناقب بغداد ص ۲۰، [2] خلاصۃ تاریخ العراق ص ۱۰۱،

شایستہ انسان مکارمِ اخلاق اور بڑائی کے حصول مین صبر و استقامت سے کام لیتے ہین پست اور ادنی درجہ کی باتون سے بچتے، اور بلند اخلاق و پسندیدہ خصائل اختیار کرتے ہین، ذلیل باتون کو ترک، اور اونچی باتون کو اختیار کرتے ہین، مہذب انسان کے لئے دوسرے کی بات مین دخل در معقولات کرنا، درمیان سے کسی کی بات کاٹنا، کسی کے بھید کی ٹوہ لگانا، پوشیدہ باتون کے متعلق سوال کرنا معیوب ہے، کسی دوسرے شخص کے سامنے اور مجمع مین ناک صاف کرنا، تھوکنا، جماہی لینا، ناک سُڑکنا، ڈکار لینا، انگڑائی لینا، تالی بجانا، جسم کھجلانا، انگلیان چٹخانا، ناک چھونا ناپسندیدہ افعال ہین، مہذب انسان کسی کی نگاہ کے سامنے بیت الخلا نہین جاتے، اور نہ پیشاب کے لئے بیٹھتے ہین، اکڑو بیٹھنا، تیز چلنا، راستہ مین ادھر ادھر نگاہ ڈالنا معیوب ہے، وہ گندے مقامات پر پاؤن کی گرد نہین جمنے دیتے، مجلس مین ایسی جگہ نہین بیٹھتے، جہان سے اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو، کسی دوکان، مسجد اور سبیل کا پانی نہین پیتے، نانبائی، ہریسہ، اور اس قسم کی دوسری دوکانون مین نہین جاتے، بازاری کھانے کی چیزین نہین استعمال کرتے، شارع عام، بازارون اور مسجدون مین نہین کھاتے، حمامون مین عام لوگون کی طرح نہین نہاتے، کسی شایستہ انسان کے لئے پاجامہ کے بغیر بازار مین باہر نکلنا، رومال کا، یا ڈھیلا لٹکا ہوا ازار بند، لین دین اور خرید و فروخت مین حجت کرنا، اہلِ حرفہ سے شرط پر مال لینا، کرایہ کے گدھے پر سوار ہونا، ادنی درجہ کے آدمیون سے اختلاط رکھنا، دوستون کو بُرا کہنا، غیبت کرنا، کسی کا برائی سے ذکر کرنا، کسی کا راز افشا کرنا، بدعہدی اور وعدہ خلافی کرنا، دو آدمیون مین فساد ڈلوانا، دوستون مین لڑانا، حکام سے چغلی کھانا، کسی شخص کی جانب اشارہ بازی کرنا، کسی کی بے عزتی کرنا، چوری کرنا، جھوٹ بولنا، شک و شبہہ مین ڈالنے والی باتین کرنا، فسق و فجور کا اعلان کرنا، فحش کلامی، دوست اور پڑوسی کی بے حرمتی کرنا، سخت معیوب ہے،

مہذب انسان کے لئے بدن کی صفائی، طہارت، خوش لباسی، اور عطر کا استعمال ضروری ہے،

ان کا کپڑا پھٹا میلا، گریبان چاک، ناخن اور بال بڑے، جسم گندہ اور ہاتھ میلا نہ ہونا چاہئے، منہ، ناک، آنکھ، تھوک، ناک، و کیچڑ سے صاف رہنا چاہئے،

دوستون کے ساتھ پابندی عہد، ایفاے وعدہ، وفاداری مین استواری، احباب کے ساتھ حسنِ سلوک، اُن کی مدد، عام ملنے والون سے کشادہ روئی، غیر حاضر احباب کی تلاش و جستجو، جسم اور مال سے اس کی مدد، بھائیون کے بار کی تخفیف، پڑوسیون کی حمایت، اُن کی جانب سے مدافعت، بڑون کی برائی سے عفو و درگذر، نیکون کی بھلائی کی احسان شناسی، چھوٹون سے خوش اخلاقی، بڑون کی عزت و تکریم تہذیب کی خصوصیات مین ہے،

تہذیب و شرافت محض لذت اندوزی، لطف و تفریح، اور فخر و حسب کا نام نہین، بلکہ ادب اور شرافت کے طریقون پر چلنے کا نام ہے، بعض علماء نے لوگون کو کھلانا پلانا، اُن کی تکلیفین دور کرنا، داد و دہش، خندہ جبینی، پاکدامنی، بُری باتون سے پرہیز، ادب و تہذیب، پاکیزگی اخلاق، نااہلون کی صحبت سے دوری، بلند نظری، بلند حوصلگی، بدسلوکی کرنے والون کے ساتھ احسان، سلوک و احسان کرنے والون کے ساتھ حسنِ معاوضہ، اہلِ حاجت کی حاجت برآری، مزاج کی لینت و نرمی، جملہ امور مین لطف و مدارات، اعتدال و میانہ روی، اور خوش خلقی کو شرافت کے اوصاف قرار دیا ہے،

مہذب انسان اپنے اغراض و مقاصد اور پیش نظر کامون کا اظہار و اعلان نہین کرتے، بلکہ اُن کو مخفی رکھتے ہین، اور حسنِ تدبیر اور مہذب طریقون سے اُن کو حاصل کرتے، اور تدبیر کو مناسب موقع و محل پر استعمال کرتے ہین، اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہین،

اُن کے ہدایا و تحائف جو وہ ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہین، بظاہر حقیر معلوم ہوتے ہین، مثلاً سیب یا لیمون کا ایک دانہ، کوئی لطیف خوشبو، گلاب کی ایک شاخ، نرگس کا ایک پھول، تنزآب کا ایک رطل، عود کا ایک ٹکڑا، اور اس قبیل کی چھوٹی چھوٹی مگر لطیف چیزین، ان کا مرغوب اور پسندیدہ

تحفہ ہین، یہ لوگ بڑے بڑے ہدیون کے بجائے چھوٹے اور لطیف ہدیے زیادہ پسند، اور ان کی زیادہ قدر کرتے ہین،

اُن کے خطوط اور تحریرین نہایت دلچسپ اور اس کے الفاظ دلفریب ہوتے ہین، تحریر کے عنوانون کو پرلطف مثالون اور نوادر و لطائف سے دلکش بناتے ہین، تحریر نہایت دلآویز، پرلطف شکوہ و شکایت حسن طلب اور سنجیدہ و مہذب مذاق پر مشتمل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ دور کے لوگ قریب ہو جاتے ہین، اور مشکلات آسان معلوم ہوتی ہین،

ان خطوط کو وہ بیش قیمت اور نفیس ریشمی رومالون پر لکھتے ہین، اور اس کو مشک وعنبر اور زعفران سے معطر کرتے، اور اس پر سنہری افشان چھڑکتے ہین، (کتاب الموشی ص ۱۵۰، تا ۱۰۲ ملخصاً)

دار المصنفین کی نئی کتاب

اقبال کامل

از

مولانا عبد السلام ندوی

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین، لیکن اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری، پھر فارسی شاعری پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر ان کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفہ خودی، فلسفہ بیخودی، نظریہ ملت، تعلیم، سیاست، صنف لطیف یعنی عورت، فنون لطیفہ، نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، ضخامت چار سو صفحات، قیمت :- "منیجر"

اسلامی حکمرانون سے مسلمانون کی

ایک بیجا شکایت

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(۴)

دمشق کی مشہور تاریخی مسجد جامع بنی امیہ جو آج بھی اپنی پوری شان و شوکت عظمت و اہمیت کے ساتھ موجود ہے، عام تاریخون مین کس نے نہین پڑھا ہے، کہ مروانیون کے متعلق العنان فرمانروا عبد الملک نے اس مسجد کے لیے عیسائیون کے گرجا یوحنا نامی کے متعلق عیسائیون سے خواہش ظاہر کی کہ جتنی رقم بھی طلب کرو مین ادا کر دون گا، مجھے اجازت دو کہ اس گرجا کی زمین کو مین مسجد مین شریک کر دون، لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے، عبد الملک بھی خاموش ہوگیا، پھر جب ولید بن عبد الملک نے اپنی حکومت کے زمانہ مین اسی خواہش کو عیسائیون کے سامنے پیش کیا، اور بہت زیادہ غیر معمولی معاوضہ ادا کرنے پر آمادہ ہوا، مگر عیسائیون نے حسب دستور جب انکار کیا، تو ولید کو غصہ آگیا، اور کہنے لگا کہ تم لوگ گویا اس پر مجبور کر رہے ہو کہ زبردستی مین اس گرجے کو منہدم کرا دون، البلاذری نے لکھا ہے کہ ولید کی اس دھمکی پر عیسائیون نے کہا کہ

ان من هدم كنيسة جن او اصابته عاهة (ص ۱۳۲)

گرجے کو جو ڈھاتا اس کو جنون ہو جاتا ہے یا کسی سخت بیماری مین مبتلا ہو جاتا ہے،

عیسائیون کی اسی دھمکی نے ولید کی دھمکی کو جو صرف لفظی دھمکی تھی، خواہ مخواہ واقعہ کی شکل دے دی،

لکھا ہے کہ خود اپنے ہاتھ مین پھاوڑا لے کر گرجا کی دیوار پر ولید چلانے لگا، اور یون یوحنا کا گرجا منہدم ہوگیا،

اور اس کی زمین مسجد مین شریک کر دیگئی،

اب اس کو عیسائیون کی غلط دھمکی کا نتیجہ قرار دیجئے، یا ولید کے راج ہٹ کا نتیجہ سمجھئے، یہ فعل اسلامی

ضوابط کے لحاظ سے قطعاً غلط تھا، کچھ ہی دن بعد عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ مین مروانی حکومت کی باگ جب

آئی، تو آپ نے حکم دیا کہ مسلمانون کی اس مسجد مین گرجے کی جو زمین شریک ہوگئی ہے وہ عیسائیون کو واپس

دے دیجائے، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے لاکھون لاکھ روپیہ کا مالی نقصان ہی نہین ہورہا تھا،

بلکہ دنیا کی تعمیری عجائبات مین جو عمارت اس وقت تک شمار ہوتی ہے اس کی صورت بھی بگڑ جاتی، ماسوا

اس کے عام مسلمانون کے لیے یہ خیال بھی سخت تکلیف دہ تھا، کہ

نهدم مسجدنا اذنا فيه وصلينا — کیا اپنی ایک ایسی مسجد کو ہم اپنے ہاتھون ڈھا دین

فيه وبيعة — جس مین ہم اذان دیتے رہے اور نماز پڑھتے رہے

مگر مسلمانون کے دینی جذبات کی عمر بن عبد العزیز کی دینی عقل نے قطعاً پروا نہ کی، اور گرجے کی زمین

کی واپسی پر ان کا اصرار بہر حال باقی رہا، کوئی دوسری صورت مسلمانون کے لیے اس کے سوا باقی نہ رہی

کہ باوجود حاکم قوم ہونے کے اپنے محکوم عیسائیون کی خوشامد درآمد کرین، یہی تدبیر آخر اختیار کی گئی، وقت

کے علمائے اسلام جن کی قیادت سلیمان بن حبیب المحاربی نے کی عیسائیون کے پاس پہنچے، اور منت و سماجت

سے کسی نہ کسی طرح عیسائیون کو راضی کر لیا گیا کہ اس مطالبہ سے دست بردار ہو جائین، عیسائیون نے

علمائے اسلام کے اس وفد کی بات مان لی، عمر بن عبد العزیز کی خدمت مین عیسائیون کا راضی نامہ جب

پیش ہوا، تو

فسر بذلك وامضاه — وہ اس پر خوش ہوئے، اور راضی نامہ کے مطابق فرمان جاری کیا،

اور یہ تو خیر ایک گرجا یا ایک مکان کا قصہ ہے، ذرا خیال تو کیجیے سمرقند جیسے غدار شہر کا، مسلمانون

کا مشہور سپہ سالار قتیبہ اس کو فتح کر چکا ہے، خراسان کے اس مشہور مرکزی شہر مین مسلمان آباد ہو چکے ہین،

مسجدون اور مدرسون[1] سے شہر معمور ہو چکا ہے، عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا زمانہ ہے، سمرقند کے غیر مسلم

طبقہ کا ایک وفد خلیفہ کی خدمت مین حاضر ہو کر یہ معروضہ پیش کرتا ہے، کہ

"غدر اور عہد شکنی سے کام لے کر قتیبہ نے ہمارے شہر پر قبضہ کیا، اور مسلمانون کو اس شہر مین

اوس نے آباد کیا ہے"؛

حضرت عمر بن عبد العزیز نے وفد کے اس معروضہ کو حاکم سمرقند کے پاس اس فرمان کے ساتھ واپس کیا کہ

"عدالت کے کسی قاضی کے سپرد سمرقند کا معاملہ کر دیا جائے، اور حکم دیا جائے، کہ واقعی ان لوگون

کے ساتھ کیا صورت پیش آئی ہے، تحقیقات سے اگر ثابت ہو جائے، کہ وفد والون کا دعوی صحیح ہے

تو اسی وقت مسلمانون کو سمرقند چھوڑ دینے پر مجبور کیا جائے"،

اس فرمان کے ساتھ وفد حاکم سمرقند کے پاس واپس لوٹا، جمیع بن حاضر نامی قاضی کو بلا کر مقدمہ

حاکم نے اُن کے سپرد کر دیا،

قاضی جمیع نے بھی ہر قسم کی جنبہ داری سے الگ ہو کر مقدمہ کی چھان بین شروع کی، شہادتون اور

دوسرے دلائل کی روشنی مین وہ اسی نتیجہ تک پہونچے کہ واقعۃً سمرقند والون کے ساتھ غدر کیا گیا ہے، اسی

بنیاد پر انھون نے فیصلہ صادر کیا کہ

---

[1] البلاذری نے لکھا ہے کہ قتیبہ نے سمرقند مین جن مسلمانون کو آباد کیا تھا، ان ہی مین ضحاک بن مزاحم بھی تھے، اور ضحاک بن مزاحم کے متعلق اس واقعہ کا ذکر تو تقریباً اکثر مورخین نے کیا ہے، کہ ان کے مکتب خانون مین تعلیم پانے والے طلبہ کی تعداد تین ہزار تھی، خچر پر سوار ہو کر طلبہ مین وہ گشت کرتے تھے، مگر حوالہ اس وقت محفوظ نہ رہا، کسی مستند کتاب مین مین نے پڑھا ہے، کہ تین ہزار طلبہ کے سوا یا اتنی تعداد طالبات یعنی تعلیم پانے والی بچیون کی بھی تھی یہ حال پہلی صدی ہجری کے وسطانی عہد کا تھا،

"مسلمان سمرقند کو چھوڑ کر فوراً باہر نکل جائین، اور اس کے بعد سمرقند والون کو آزادی دیجائے کہ مسلمانون کے ساتھ جو معاملہ چاہین، اختیار کرین، اسی طرح شہر سے نکل جانے کے بعد مسلمانون کو بھی اختیار ہوگا، جو طرز عمل چاہین، اختیار کرین"

الغرض شہر سے نکلنے کے بعد "منابذہ علی السواء" کے اصول پر قاضی نے فیصلہ کیا، کہ عمل کیا جائے، سمرقند کے غیر مسلم باشندون کے سامنے یہ فیصلہ جب پیش ہوا، تو انھون نے باہم مشورہ کیا کہ نکل جانے کے بعد مسلمانون نے پھر شہر پر اگر حملہ کیا، تو خواہ مخواہ جنگ کے شعلون مین ہم گھر جائین گے، لکھا ہے کہ مشورے کے بعد حاکم کے سامنے ان لوگون نے حاضر ہو کر اپنا یہ دعوی ان الفاظ مین پیش کیا کہ

"ہم جنگ کرنا نہین چاہتے اور خوشی کے ساتھ سمرقند مین مسلمانون کے قیام پر راضی ہین"[۱]

اور یون بات ٹل گئی، ورنہ دنیا دیکھتی کہ سمرقند جیسے شہر مین آباد ہوجانے اور مساجد و متعلقہ مدارس و مکاتب کے قائم کر دینے کے بعد بھی معاہدے کی تکمیل کے لئے مسلمان محض اپنے دین کی وجہ سے باہر نکل آئے[۲] اور اس قسم کے قصے کچھ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلفار کی حد تک محدود نہین ہین، اسی سمرقند ہی کے متعلق تاریخون مین یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، کہ خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے زمانہ مین امام اور مؤذن کو خلیفہ کے حکم سے اس لئے درے لگائے گئے، کہ اسی سمرقند کے کسی آتش کدہ کو توڑ کر دونون نے مسجد بنا دیا تھا،[۳]

---

[۱] البلاذری ص ۴۲۰ [۲] ایضاً ص ۲۳۲ [۳] دمشق کے گرجا یوحنا یا یحیٰ کے متعلق جیسے یہ صورت پیش آئی کہ عیسائیون کی خواہ مخواہ دھمکی نے ولید کو آپے سے باہر کر دیا، البلاذری نے لکھا ہے، کہ سمرقند مین بھی لکڑی کے بنے ہوئے بتون کے متعلق بھی قتیبہ کو یہی دھمکی دی گئی، کہ جو ان کو ہاتھ لگائے گا تباہ ہو جائے گا، قتیبہ نے، کہتے ہین کہ انکو جلا کر دکھا دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس منظر کو دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، میری غرض یہ ہے کہ دوسری قومون کی عبادتگاہون یا معبودون کے متعلق جاہل مسلمانون کی طرف سے ایسی غیر اہم شکلین اگر پیش آئی ہین، تو تحقیق سے معلوم ہوگا، کہ اس قسم کے غلط دعوون نے خواہ مخواہ کی ضد پیدا کر کے نادانون کو اس پر آمادہ کیا، ورنہ برا بھلا کہنے کی ممانعت غیر اقوام کے معبودون کی قرآن مین جب کی گئی ہے، تو توڑنے پھوڑنے پر وہ کیسے راضی ہو سکتا ہے،

ممکن ہو کہ اب سمرقند مین ایسی کوئی عبادتگاہ نہ ہے جس مین بجائے خالق کے آگ جیسی مخلوق کی عبادت آدم کی اولاد کرتی ہو لیکن اس علاقے بلکہ سارے ایرانی علاقے کی عبادتگاہون کے تعلقات مین یہ تبدیلی یعنی مخلوق سے ان کا رشتہ توڑ کر خالق ہی کی عبادت کے لئے اب جو وہ مختص نظر آرہی ہے، کیا اس انقلاب مین جبر اور زبردستی سے کام لیا گیا ہے، مین یہ جانتا ہون کہ ایرانی علاقے کی عبادتگاہون کے اس انقلاب کو نہ جاننے والون نے ابتداے اسلام کے پرجوش مجاہدین کے تشدد اور زبردستی کی طرف منسوب کر رکھا ہے، سمجھا دیا گیا ہے کہ قبضہ کرنے کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مین یکا یک دالی گئی، باور کرایا جاتا ہے، کہ ایران اسی زمانہ مین غیر مسلمون سے خالی ہو گیا تھا،

لیکن نہ جاننے والون یا جان کر انجان بننے والون کی ان باتون کو مین کیسے مان لون، جب مشاہدہ کرنے والون کی کتابون مین اُن کے ان مشاہدات کو پڑھتا ہون، ابن حوقل جس کے متعلق جی لی، اسٹرینج کا تخمینہ یہ ہے کہ سنہ عیسوی کے حساب سے اُس نے اپنی کتاب ۹۷۸ء یعنی دسوین صدی عیسوی مین لکھی ہے، دوسرے الفاظ مین جس کا مطلب یہی ہوا، کہ ظہور اسلام سے چار سو سال بعد جیسا کہ اس کا خود بیان ہے، اسلامی ممالک مین گھوم گھوم کر خود اپنے چشم دید حالات قلم بند کئے ہین، بہرحال اسی جغرافیائی سفرنامے مین ابن حوقل ایران کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے ترجمہ کے ساتھ مین بجنسہ اس کے عربی الفاظ کو نقل کر دیتا ہون، جو یہ ہین :-

واما بیوت نیرانها فانها لا تخلوا	باقی ایران کے آتشکدے سو حالی یہ ہے کہ
ناحیة ولا مدینة بنا دیس الا	بجز ایران کے چند مقامات کے کوئی علاقہ
القلیل من بیوت النیران والمجوس	کوئی شہر ان آتشکدون سے خالی نہین ہے
اکثر الملل بفارس ۱۰۰؛ المسالک و	اور ایران مین دوسرے ادیان و مذاہب والون
الممالک لابن حوقل ؛	کے مقابلہ مین سب سے زیادہ تعداد مجوسیون

یہ سُنی سنائی نہیں بلکہ اپنی آنکھوں دیکھی بات ہے، دوسرا سیاح مسعودی ہے فتح ایران کے تین سو سال بعد اُس نے ایران کی سیر کی ہو اس کی بھی شہادت یہی ہو کہ

"عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، آذربائیجان اور آران یعنی ایران کے تمام حصوں میں آتشکدے، اور رخنے بنے ہوئے اس نے پائے، (المسعودی مطبوعہ یورپ جلد ۴ ص)

آرنلڈ نے نکولا دے خانکوف کے حوالہ سے نقل کیا ہو کہ

"اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں بارہ ہزار خاندان آتش پرستوں کے کرمان میں موجود تھے، (ترجمہ آرنلڈ ص: ۲۲)

جب دسوین صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک کی یہ گواہیان ہمارے پاس موجود ہیں، تو بتایا جائے کہ محض دعویٰ کرنے والون کے صرف دعویٰ کی بنیاد پر ہم یہ کیسے تسلیم کر لین کہ آگ جیسی مخلوق کی جگہ آج ایران کی ہر عبادت گاہ مین صرف خالق کردگار کی عبادت کا نظارہ جو دیکھا جا رہا ہے، اس انقلاب مین ذرا اور زبردستی سے کام لیا گیا، دسوین صدی عیسوی تک ہمین ایران کی اکثریت پارسیون ہی کی تھی، تو جبر و ظلم و زیادتی کا یہ افسانہ کے سوا اور بھی کچھ رہجاتا ہو؟ بلکہ واقعہ کی صحیح تصویر یہی ہے، کہ آتشکدون کو ڈھا کر نہیں بلکہ ڈھانے والون کو دُرّے کی سزا دے کر ایران کی عبادتگاہون کے تعلق کے بدلنے مین مسلمانون نے کامیابی حاصل کی،

اس قسم کی باتین مثلاً یہی کہ معتصم نے آتشکدے کے ڈھانے کے جرم مین موذن اور امام کی کوڑے سے خبر لی لوگ جب اُن کو سنتے ہین تو دل مین اُن کے خیال گذرتا ہے، کہ اسلامی حمیت و غیرت کا جوش جن اسلامی حکمرانون مین شاید ٹھنڈا پڑ گیا تھا، یہ باتین اُن کے زمانہ کی ہین، بلکہ اسلامی حکومتون مین غیر مسلم طبقات کے درخور اور بڑے سے بڑے منصب تک اُن کی رسائی کے قصون سے تاریخین جو بھری ہوئی ہین تو ان سارے قصون مین سمجھا جاتا ہے، کہ دخل اسلام اور اسلام کے قوانین و تعلیمات کو

نہ تھا، بلکہ جیسے جیسے اسلامی امور سے لاپروائی حکمرانون مین بڑھتی چلی گئی، غیر قومون کے ساتھ رواداری مین زیادہ فراخ چشمی سے وہ کام کرنے لگے،

اور اسی غلط مفروضہ کو بنیاد بنا کر ہر اسلامی ملک کی تاریخ خصوصاً ہندوستان کی کچھ اس طریقہ سے مرتب کی گئی ہے، جس سے یہ سمجھ مین آتا ہے، کہ اسلامی زندگی سے جو زیادہ قریب تھے، ان بادشاہون نے دینی تعصب کی وجہ سے غیر قومون پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھا، اور طرح طرح سے ان کو پریشان کیا، البتہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کا وزن علماً یا عملاً جن کے قلوب مین باقی نہ رہا تھا، یا کم ہو گیا تھا، اگر غیر مسلمون کے ساتھ کچھ رواداریان ہوتی ہین، تو اُن ہی کی طرف سے ہوتی ہین، مگر کہنے والون کی زبانون، اور لکھنے والون کے قلم کو کون روک سکتا ہے،

ابھی ابھی معتصم عباسی نہین، بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خلیفہ کی حکومت کے زمانہ کے چند واقعات کا ذکر مین نے ہی آپ کے سامنے کیا ہے، آپ سُن چکے کہ جس مسجد مین مسلمان اذانین دے رہے تھے نمازین پڑھ رہے تھے، اس مسجد تک کو گرجا بنانے پر عمر بن عبد العزیزؓ کی بے دینی نہین بلکہ دینداری مجبور کر رہی تھی، بلکہ پورے شہر سمرقند اور اس کی مسجدون، مدرسون تک کے چھوڑ دینے کا حکم مسلمانون کو ان ہی عمر بن عبد العزیزؒ کی بے دینی نے نہین بلکہ دین ہی نے دلایا تھا، مین یہی پوچھنا چاہتا ہون کہ اسلامی دین کے احترام کرنے والے سلاطین اور سختی کے ساتھ اوس کے ایک ایک جزئیہ پر اصرار کرنے والے حکمرانون مین عمر بن عبد العزیزؓ کے سامنے بجز خلفاے راشدین کے کیا کوئی ٹھہر سکتا ہے؟ پھر غیر مسلم اقوام کے ساتھ رواداریون کی یہ توجیہ کتنی غلط ہے، کہ اسلام سے بعد اور دوری نے اُن کو پیدا کیا تھا؟ مین نے پہلے بھی کہا ہے کہ تیرہ صدیون کی اس طویل زمانے مین دنیا کے مختلف حصون کے اندر حکومت کرنے والے مسلمان سلاطین اور بادشاہون کی تعداد ہزار ہا ہزار سے متجاوز ہے، کوئی اس کا دعویٰ

---

[1] حالانکہ ان بے چارون کو یہ معلوم نہین کہ صحابہ تک کے عہد مین کاتب کا عہدہ غیر مسلمون کو دیا جاتا تھا، ابو موسیٰ اشعری رضی

نہین کرسکتا کہ ہمارے سارے سلاطینِ سلف معصوم اور غلطیون سے پاک تھے، ہمارا نہ یہ عقیدہ ہے اور نہ یہ واقعہ ہے، نہ ہوسکتا ہے، بادشاہون کو قانون کی گرفت سے یہی وجہ تو ہے کہ اسلام نے کبھی مستثنیٰ نہین قرار دیا، یقیناً اچھون کے ساتھ اُن مین بڑی تعداد ایسون کی بھی تھی، جنھون نے غیر مسلمون ہی کو کیا خود مسلمانون کو اپنے حرص و ہوا کا تختہ مشق بنانے مین کوئی کمی نہین کی، لیکن ان کی ستم رانیان جو مسلمانون پر ہوئین، ان کو جیسے اس دین کی طرف منسوب کرنا غلط ہے، جس کی طرف اپنے آپ کو وہ منسوب کرتے تھے اسی طرح غیر مسلمون کے ساتھ جو زیادتیان ان کی طرف سے ہوئی ہین، یقیناً بہت بڑا ظلم ہوگا، اگر اس دین کا اثر یا نتیجہ اُن کو قرار دیا جائے، جس کا پیرو اپنے آپ کو وہ ظاہر کرتے تھے،

افسوس ہے کہ تفصیل مین بات بہت پھیل جائے گی، لیکن میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ مین ہمیشہ ان اسلامی حکمرانون سے نقصان ہی پہنچا ہے، جنھون نے ان ذمہ داریون کی طرف سے لاپروائی برتی، جن کا مطالبہ اسلامی حکومت سے اسلام اور پیغمبر اسلام اور ان کے سچے اور رشید جانشینون نے بار بار کیا ہے، اور آخر آخر وقت تک ان ذمہ داریون کی تکمیل کی تاکید فرماتے رہے ہین، اگر ان ذمہ داریون کو وہ اسی طرح پوری کرتے، جیسے عمرؓ بن عبد العزیز اور ان جیسے دوسرے دیندار خلفا اور سلاطین نے کی، تو اسلامی جغرافیہ کا دائرہ موجودہ دائرہ سے کہین زیادہ وسیع ہوجاتا،

یہی عمرؓ بن عبد العزیز ہین جو مسجد کو گرجا بنانے پر یا ایک اسلامی شہر کو بخوشی و رضا غیر مسلمون کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے، حالانکہ کل ڈھائی سال حکمرانی کا موقع اُن کو ملا ہے، لیکن آپ تاریخون کو اٹھاکر

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۷) کا کاتب سکریٹری عیسائی تھا، حضرت معاویہؓ کا سکریٹری بھی سرجون عیسائی ہی تھا، مجھ ہی سے آپ سُن چکے کہ عبد الملک مروانی سے پہلے دفاتر کی زبان رومی و ایرانی تھی، ظاہر ہے کہ بجز عیسائیون اور پارسیون کے بے چارے عرب ان دفاتر مین کیسے کام کرسکتے تھے، اگر ملازمت سے ان کو روکا گیا، تو دین کی وجہ سے نہین بلکہ رشوت کی بدعادت کی وجہ سے،

پڑھیے، مشرق و مغرب مین اسلامی دین کے حلقے مین داخل ہونے والون کی تعداد ان کے زمانہ مین جتنی زیادہ ہوئی ہے، خلفاے راشدین کے بعد مین تو نہین جانتا کہ دین کی اشاعت عام مین اتنی کامیابی کسی دوسرے مسلمان بادشاہ یا حکمران کے زمانہ مین حاصل ہوئی ہو، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ

اسلم عامۃ البربر فی ولایتہ، (جلد ۳ ص ۳۰)	ان کی حکمرانی ہی کے زمانہ مین افریقہ کے عام بربری قومون نے اسلام قبول کیا،

اشارہ اسماعیل بن عبید اللہ کی حکومت کی طرف ہے جنھین، حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے افریقہ کا حاکم و گورنر بناکر بھیجا تھا، اسی طرح عمرؓ بن عبد العزیز کے حالات مین مشرق مثلاً خراسان، ایران، سندھ وغیرہ کے متعلق اس قسم کی چیزین تاریخ کی کتابون مین کثرت سے ملتی چلی جائین گی، مثلاً عمرؓ بن عبد العزیز کے خراسانی گورنر جراح بن عبد الحمید کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہے کہ

فاسلم علی یدہ نحو اربعۃ آلاف (جلد ۵ ص ۲۸۵)	چار ہزار آدمی نے صرف جراح کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا،

سوال یہی ہے کہ مغرب و مشرق کے ان دور دراز علاقون مین اسلام کی اشاعت اس وسیع پیمانہ پر عمرؓ بن عبد العزیز کی ڈھائی سال کی حکومت مین جو ہوئی، تو ایک آدھ واقعہ بھی تاریخ سے نکال کر دکھایا جاسکتا ہے، جس سے معلوم ہو کہ غیر مسلمون کا بال بھی اس سلسلہ مین کہین غلطی سے کھینچا گیا؟ اب مین کیا کہون، عمرؓ بن عبد العزیز جن کے اس گشتی فرمان کی نقل کتابون مین آج تک نقل ہوتی چلی جارہی ہے، ترجمہ جس کا یہ ہے، فرمان حکام اور سلطنت کے ولاۃ و گورنرون کے نام تھا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے:-	سلام علیکم

"اللہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہین ہے، اس کی تعریف و ثنا کے بعد مین تم کو خصوصیت کے ساتھ

حکومت کے ان غیر مسلم باشندون کی طرف متوجہ کرتا ہون جن کی جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے، کہ ان لوگون کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے، اور یہ کہ ان لوگون مین جو سن رسیدہ اور ضعیف ہو جائین اور غریب ہو کر اُن کے مصارف کی پابجائی حکومت کی طرف سے کیجائے، اور اُن کے رشتہ دارون کو بھی اُن کی کفالت کی طرف توجہ دلائی جائے۔"

(ابن سعد جلد ۵ ص ۲۸۰)

گویا بیمہ وغیرہ کے جھگڑون سے مسلمانون کو اسلامی بیت المال کے نظام نے سبکدوش کر رکھا تھا، یہی اطمینان ملک کے ہر باشندے کو دلایا گیا تھا،

صرف غربا، اور معذورون ہی کو نہین، بلکہ اسلامی بیت المال سے جیسے وظائف وغیرہ مسلمانون کو عطا کئے جاتے تھے، ابن سعد ہی نے لکھا ہے کہ غیر مسلمون کو بھی عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریک کر لیا تھا، اسلامی سلاطین کے حالات مین لوگ جب پڑھتے ہین، کہ انعام واکرام کے سلسلہ مین فلان غیر مسلم کو انھون نے اتنی بڑی رقم دیدی تو خیال کر لیا جاتا ہے کہ اُن کے دینی رجحانات کی سستی کا یہ نتیجہ تھا، لیکن عمر بن عبد العزیز کے متعلق یہی سوچنے والے کیا سوچین گے، جب ابن سعد سناتے ہین کہ دس بیس روپے نہین بلکہ

انہ اعطی بطریقا الف دینار	ایک عیسائی پادری کو عمر بن عبد العزیز نے ہزار اشرفیان دین،
(جلد ۵ ص ۲۵۰)	

ہزار طلائی سکہ کی قیمت نقرئی سکے سے کیا ہوئی؟ اس کی تفصیل کے لئے سکون کی تاریخ پڑھئے! اور یہ کوئی انفرادی معاملہ نہ تھا، عمر بن عبد العزیز کی طرف سے مدینہ منورہ کے دفتر کا جو دیوان تھا، ان کا عیسیٰ بن ابی عطا ہے، ابن سعد نے اُن کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

"بسا اوقات وہ بیت المال سے (غیر مسلم) لوگون کی امداد کرتے تھے" (ص ۲۵۰)

اور سچ تو یہ ہو کہ ان سے پہلے بنی امیہ کے حکمرانون نے جس کسی سے خلاف قانون ایک پیسہ بھی وصول کیا تھا، باتفاق مورخین عمر بن عبد العزیز نے اپنی حکومت کے زمانہ مین حساب کرکے ہر ایک تک اس کے حق کو پہنچایا، حتی کہ

"عراق کا خزانہ جب بازگشت کے رقوم کے بندوبست کرنے سے معذور ہو گیا، تو مرکز (شام) کے خزانہ سے مزید رقم بھجوائی گئی" (ص ۲۵۲)

ایسی صورت مین ان کی طرف سے کسی تشدد یا سختی کا احتمال ہی کیا ہے، مشہور ہے، کہ دیر سمعان نامی جس مقام پر مرض الموت مین عمر بن عبد العزیز مبتلا ہوئے، اور یقین ہو گیا، کہ اس مرض سے جان بر نہ ہو سکین گے، تو اسی صحرائی میدان مین قبر کے لئے چاہا کہ زمین خرید لی جائے، معلوم ہوا کہ اس نواح کی ساری آراضی غیر مسلمون کی ہے، آپنے اُن ہی مین سے ایک شخص کو طلب کرکے کہا کہ میری قبر کے لئے تھوڑی سی زمین کیا تم فروخت کر سکتے ہو، بے چارے نے کہا کہ

"امیر المومنین اس سے بڑی خوش نصیبی میری کیا ہوگی، کہ آپ میری زمین مین دفن ہون، مین خوشی دل سے اس زمین کو بغیر قیمت کے پیش کرتا ہون"

مگر عمر بن عبد العزیز مفت لینے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے، بعض کہتے ہین کہ دو اور بعضون کا بیان ہے کہ دس اشرفیان دے کر خلیفہ نے اپنی قبر کیلئے زمین اس غیر مسلم سے خریدی (ابن سعد ص ۲۹۹) ان ہی کے حالات مین لکھا ہے کہ مسلمانون کے علاقے سے عدن کے قریب کچھ لوگون کو گرفتار کرکے غیر اسلامی علاقے کے لوگ لے گئے اور کہلا بھیجا کہ زر فدیہ کے بغیر ان قیدیون کو ہم رہا نہین کر سکتے، عمر بن عبد العزیز نے اسی وقت روپیہ روانہ کیا، چالان مین لکھا ہوا تھا کہ

"اس رقم سے مرد و عورت، غلام اور اسلامی علاقے کے ان غیر مسلم باشندون کا زر فدیہ ادا کیا جائے، جس کی ذمہ دار ہماری حکومت ہے" (ایضاً ص ۲۶۰)

جس کا مطلب یہی ہوا کہ دشمنون سے چھڑانے اور رہائی دلانے تک مین مسلمانون اور غیر مسلمانون مین کسی قسم کی تفریق جائز نہین رکھی جاتی تھی،

یہ اور حسن سلوک و مراعات کے دوسرے طریقے ملک کے غیر مسلم باشندون کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جو اختیار کیے گئے تھے، کیا ان کی کٹر دینی زندگی کے سوا کسی دوسری چیز کا اس مین دخل تھا، اور جب دین کی طرف سے اور دین پر چلنے والون کی طرف سے اس نوعیت کے تجربات انسانی فطرت کو ہونگے، کیا اُن کے لازمی نتائج و اثرات سے وہ بچ سکتی ہے،

حقیقت تو یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ابن سعد ہی نے جو یہ لکھا ہے کہ

کتب ان تعمل الخانات بطریق خراسان، (جلد ۵ ص ۲۷۲)	کہ انھون نے یہ فرمان نافذ کیا کہ خراسان کے راستہ مین سرائین بنوائی جائین،

خود ان کے اس کام کا جو اثر خراسان کے غیر مسلم باشندون پر مرتب ہوا تھا، اس کا اظہار ہرات کے دہقان (دیکھو) نے خراسان کے گورنر اسد بن عبداللہ کے دربار مین جن لفظون مین کیا تھا، آج تک تاریخون مین محفوظ ہے، وہیں کچھ تحفے تحائف کے ساتھ گورنر کے دربار مین آیا تھا، اس کو تقریر کا موقع بھی گورنر کے دربار مین دیا گیا، اسی مین اس نے دوسرے امور کے ساتھ یہ بھی کہا تھا،

"مین اس کا اعتراف کرتا ہون کہ آپ لوگون کی کتخدائیت (حکمرانی) سے بہتر حکومت مین نے نہین دیکھی آپ نے اپنے اشرات اور حاشیہ اور اپنے خاندان کے لوگون کو ایسے دباؤ مین رکھا ہے، کہ کوئی بڑا کسی چھوٹے پر، یا کوئی امیر کسی غریب پر ظلم و زیادتی نہین کر سکتا، مین تو[1]

---

[1] قرون وسطیٰ کی شخصی حکومت کے زمانہ مین ایک ایرانی دہقان حکومت کے صحیح نصب العین کی تعبیر ان الفاظ مین کرتا ہے، اسی کو کتخدائیت کا کمال قرار دیتا ہے لیکن بیسوین صدی کی روشنی والے زمانے مین حکومت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پچاس آدمی جس جماعت مین شریک ہین، اُن کے ساتھ (۵۱) افراد پر مشتمل جماعت جو کچھ چاہے کر سکتی ہے، اسی کا نام جمہوریت ہے،

کتخدائیت (حکمرانی) کا اسی کو کمال سمجھتا ہون، اسی کے ساتھ مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون، کہ بیابان اور صحرائی راستون مین جو ایوانات (یعنی سڑک کے مکانات) آپ کی حکومت کی طرف سے جو بنوائے گئے ہین، اور مشرق سے جو لوگ مغرب جاتے ہین، یا مغرب والے مشرق کی طرف سے جب آتے ہین، تو ان ایوانات کو دیکھ کر کہتے ہین، کہ بنانے والے نے کتنے اچھے مکانات (راستہ) مین یہ بنوا دیے ہین، (ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۶۰)

تاریخ کی ان شہادتون کو پڑھنے کے بعد کیا اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، کہ عمر بن عبدالعزیز کے ایام حکومت مین لوگ دین اللہ یعنی اسلامی دائرے مین بکثرت کیون داخل ہوئے،

بداندیشون کی پراگندہ باد آنکھین اُن اجڑے ہوئے مکانون اور جلائی ہوئی بستیون، ڈھائے ہوئے محل سراؤن مین اشاعتِ اسلام کے اسباب کو تلاش کرتی ہین جن کا وجود ان ہی غلط سوچنے والون کے دماغون کے سوا نہ پہلے دیکھا گیا، اور نہ بعد کو ان کا سراغ خدا کی زمین پر ملتا ہے لیکن یہ تو غلط مفروضات سے نکالے ہوئے غلط نتائج ہین،

لیکن حقائق و واقعات کی ایسی گواہیان جنھین دوست ہی نہین دشمن بھی جھٹلا نہین سکتے، ان کو سن کر بتایئے کہ آدمی کس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے یہی اسد بن عبداللہ جس کی کتخدائیت کا اعتراف ہرات کے دیکھو (دہقان) نے مذکورۂ بالا الفاظ مین کیا تھا، کیا وہ کوئی بناوٹی اور خوشامد کی بات تھی؟ اب مین کیا عرض کرون، ہرات کے دہقان نے تو صرف مسلمانون کی حکومت کی تعریف کی تھی لیکن کچھ زیادہ دن گذرنے نہ پائے تھے، کہ اسی اسد کے دربار مین ہم خراسان کے صوبہ بلخ کے اس امیر زادے کو پاتے ہین جس کا نام سامان تھا، کہ کھڑا ہوا ہے، اور اسد کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر رہا ہے، یہی سامان تھا جس کی طرف منسوب ہو کر غزنویون سے پہلے سامانیون کی اسلامی حکومت خراسان مین صدیون بڑے جاہ و جلال کے ساتھ قائم رہی، آرنلڈ نے لکھا ہے، کہ

ساماں نے مسلمان ہوکر اپنا نام اپنے معاون (یعنی اسلام لانے میں جس نے مدد کی تھی) اسی کے نام (اسید) اپنا نام اسند رکھا، اور یہی نومسلم امیرزادہ تھا جس سے دولت سامانیہ کا نام چلا (ص ۲۳، آرنلڈ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن ممالک اور علاقون مین صدہا سال تک مسلمانون کی حکومت قائم رہی اُن مین سو دو سو نہین آج بھی کروہا کرور کی تعداد مین جو غیر مسلم طبقات کے افراد پائے جاتے ہین، کیا یہ خود کھلی شہادت اس مفروضہ کی تردید کے لئے کافی نہین کہ اسلام کی اشاعت مین جبر و ظلم سے کام لیا گیا، اور خود ہندوستان ہی کے متعلق مسٹر آرنلڈ کا یہ سوال یقیناً قابل غور ہے، وہ کہتے ہین کہ اس واقعہ کا انکار کون کرسکتا ہے، کہ

"دہلی اور آگرہ کے اضلاع مین جو اسلامی قوت و سطوت کے مرکز تھے، مسلمانون کی تعداد ہندوؤن سے بہت کم ہے، دہلی کے اضلاع مین دسوین حصہ سے زیادہ، اور آگرہ کے ضلع مین چوتھائی حصہ بھی کل آبادی کا مسلمان نہین ہے" (ص ۲۷۵)

بلکہ ہندوستان کے راجپوت مسلمانون یا جاٹ مسلمانون کے متعلق یہ مشہور کرنے کی کوشش جو کیجاتی ہے کہ فلان بادشاہ کے عہد مین جبراً اُن کے باپ دادون کو اسلام مین داخل کیا گیا، کسی نے ان ہی راجپوت مسلمانون کی بستیون مین پہنچکر دریافت کیا تھا، کہ آپ کے گاؤن مین بنیون اور شودرون وغیرہ کی جو آبادی ہے یہ بھی تو قدیم زمانہ ہی سے چلی آتی ہے، اگر جبر سے کام لیا گیا تو کیا یہ مان لینا چاہئے کہ بنیون اور شودرون کے باپ دادا سے بھی زیادہ راجپوتون کے بہادر اور جنگجو آباؤ اجداد کمزور واقع ہوئے تھے، کہ مسلمانون کے تشدد کے مقابلہ مین انھون نے بجائے مقابلہ کے گھٹنے ٹیک دیئے، اور بنیون یا شودرون کے اسلاف باوجود سختیون کے اپنے قدیم آبائی دین پر ڈٹے رہے، [۱]

---

[۱] اس سلسلہ مین بادشاہ ... گیر کو زیادہ بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا جواب مستقل مقالات اور کتابون کے ذریعہ ... ے بھی اپنی کتاب مین سلطان اورنگ زیب عالمگیر نامدار شہنشاہ کے متعلق ایک

یہی نہین کہ ان ممالک مین غیر مسلمون کی اکثریت اب تک باقی ہے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ غیر اسلامی علاقون سے ہر زمانہ مین بڑی تعداد ان ہی لوگون کی جو مسلمان نہین تھے، اسلامی حکومت کی رواداری، عدل و انصاف وغیرہ کا مشاہدہ کرکے اسلامی قلمرو مین مسلسل منتقل ہوتی رہی ہے، آرنلڈ نے مغربی مورخین کی کتابون سے ایسی بہت سی مثالین نقل کی ہین، مثلاً یہی کہ

"پندرھوین صدی کی اخیر مین اسپین کے بے شمار یہودی (مسلمانون کی ترکی حکومت کے علاقہ مین) پناہ کے لئے آئے" (ص ۱۶۲)

خود عیسائیون نے عیسائی حکومت کے مقابلہ مین ترک مسلمانون کی حکومت کو بسا اوقات ترجیح دی، تفصیل کے لئے دیکھئے آرنلڈ کی کتاب، دراصل یہی واقعات ہین جن کو پڑھنے کے بعد یہ الٹی تقریر اشاعتِ اسلام کے اسباب کے سلسلہ مین بعض جوشیلے پادریون کو کرنی پڑی، آرنلڈ ہی نے نقل کیا ہے، ایک پادری سارے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے،

"یہ غلط قصہ کہ مسلمان غیر مذہب والون سے کہتے تھے کہ یا تو قرآن کو مانو یا تلوار اٹھاؤ، اگر سچ ہوتا تو بہت سے عیسائی ایسے تھے جو مسیحی دین کے لئے لڑکر اور مر کر شہادت کا رتبہ حاصل کرتے"، پھر یہی جوشیلا مشنری مبلغ عیسائیت کہتا ہے کہ درحقیقت مسلمانون کی حکومت کی "مہربانیون نے ان عیسائیون کو مسلمان کرڈالا، جن پر ظلم کچھ اثر نہ کرسکتا تھا" [۱] (آرنلڈ ص ۱۹۱)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۲) واقعہ کا ذکر کیا ہے، کہ عالمگیر کے پاس کسی نے یہ عرض پیش کی کہ دفتر حسابات مین جو دو پارسی ملازم ہین اُن کو برخاست کردیا جائے، اس لئے کہ وہ آتش پرست ہین، جواب مین عالمگیر نے سختی کے ساتھ لکھا کہ یہ درخواست بیہودہ ہے، اور آخر مین بادشاہ نے ارقام فرمایا تھا کہ

سلطنت کا یہی دستور العمل ہوتا تو چاہئے تھا کہ ملک کے سب راجاؤن اور انکی رعیت کو غارت کردیا جاتا، (ص ۲۰۸ آرنلڈ ترجمہ)

[۱] اسی پادری کی ایک تقریر کا آرنلڈ نے حاشیہ مین بھی تذکرہ کیا ہے، ترکون کا ذکر کرتے ہوئے وہی لکھتا ہے کہ

گویا ؎ آدمی ظلم کا مارا تو تڑپ جاتا ہے مہربانی سے مٹاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

عیسائیت کی طرف سے بھی شکایت اسلام کی کیجاتی ہے، لیکن ہم اس کے جواب میں اردو کے اس مشہور شعر کے سوا اور کیا پڑھیں، ؎

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو تم ہی بتلاؤ کہ آخر تمھیں چاہیں کیونکر

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلامی قلمرو میں غیر مسلم طبقات کو زیادہ تر حق و انصاف سے استفادہ کا موقع ان ہی حکمرانوں کے زمانہ میں ملا ہے، جو اسلام کی روح سے قریب تھے، مگر اب اس کا کیا علاج ہو کہ مسلمان بادشاہوں میں جو بیچارے نسبتہً اپنے دین کے زیادہ پابند تھے، محض ان کی یہی دینی زندگی اور مذہبی پابندی بدگمانی کی وجہ بن گئی، اور واقعات سے ہٹ کر یہ شروع ہی میں فرض کر لیا گیا کہ اسلامی دین کی پابندی کے ساتھ بھلا دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ انصاف و عدل یا رحم دلی کا برتاؤ کوئی کیسے کر سکتا ہے ؟ پھر اس غلط مفروضہ پر غلطیوں کی پوری عمارت کھڑی کرنے والوں نے کھڑی کر لی، عالمگیر یا ان جیسے دیندار سلاطین کی بدنامی اسی غلط خیال اور اسی قسم کے خود تراشیدہ اوہام پر مبنی ہے، ورنہ واقعہ وہی ہے، کہ دیندار بادشاہوں نے جس حد تک اسلام کے ان ضوابط کی پابندی کی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۵) ترک جسم کو ایذا نہیں دیتے، بلکہ پرہیزگاری کے بھیس میں ظاہرا طریق پر اس کی خدمت کرتے ہیں، اور اپنے شیطانی فریب سے وہ روح کو جو جسم کے اندر ہے، اس کا ایمان لے کر ملعت کر دیتے ہیں، (آزملہ حاشیہ ص ۱۹۱)

ایک انگریز سیاح سفیڈن نامی نے تو مسلمانوں کی حکومت پر یہی تنقید نما طعن کیا ہے کہ

"وہ ورت زیادہ دوسرے مذاہب کو آزادی دیتی ہے، (المنبی والاسلام ص ۱۰۰)

یہ بڑی عجیب بات ہو کہ زمانہ تک اسلام کے جبر و اکراہ کا ڈھنڈورا پیٹا گیا لیکن اب لہجہ بدل کر اسلام کی غیر معمولی نرمی کو نیر ملامت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اسی یورپ کی طرف سے مطالبہ تھا، کہ مذہب کو عقلی معیار پر پورا اترنا چاہئے لیکن کچھ لوگ یورپ ہی میں اب کہنے لگے ہیں وہ مذہب ہی کیا ہوا جو عقل میں سما جائے ۔

کوشش کی ہے جن کا مطالبہ اسلامی قلمرو کے باشندوں کے متعلق اسلام نے کیا ہے قدرۃً اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اسلام کی طرف لوگوں کی رغبت بڑھ جاتی تھی، اسی کو دیکھ کر شور کر دیا جاتا ہے کہ دینی تعصب کے نشہ میں سرشار ہو کر بادشاہ نے جبر و ظلم سے کام لیا اور یوں مجبوراً لوگ مسلمان ہو گئے،

حالانکہ کلیتہً اگر یہ صحیح نہ ہو تو عموماً یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم باشندوں کو کبھی مسلمان بادشاہوں کے عہد حکومت میں کچھ تکلیف اگر پہنچی بھی ہے، تو زیادہ تر یہ اسی قسم کے سلاطین تھے، جن کا دین سے تعلق کمزور تھا، بجائے دینی ہدایات کے اپنی من مانی خواہشوں یا مصلحتوں کے ساتھ ان کی کارروائیاں تعین البتہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس قسم کے سست کردار، سست اعتقاد اور بدبخت بادشاہوں سے غیر مسلم رعایا ہی کو نہیں، بلکہ مسلم رعایا کو بھی کافی مصیبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں، اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں تو اس طرز کے حکمرانوں کا وجود ہمیشہ بدترین رکاوٹ ثابت ہوا ہے، الجزیرہ یعنی دجلہ و فرات کے درمیانی علاقہ کی آبادیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن حوقل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، نقل کرتے ہوئے ظلم کا نتیجہ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، کہ

ان ساکنی ارض الجزیرۃ تنصّروا بظلم آل حمدان[۱] (ص ۱۴۱، ابن حوقل)

جزیرہ کے باشندوں نے آل حمدان کے ظلم سے تنگ آ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے،

[۱] آل حمدان کی اصطلاح سے اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے ناواقف نہ ہوں گے، خلافت بغداد کی مرکزیت جب ختم ہوئی تو اطراف و جوانب میں چھوٹے بڑے حکمرانوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کریں، ان ہی میں ایک آل حمدان والے بھی تھے، سیف الدولہ جس کا نام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان بن حمدون التغلبی الربعی تھا، اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا، حلب کو اس نے دارالسلطنت قرار دیا تھا، مصر کی اخشیدی حکومت اور قسطنطنیہ کی رومی حکومت سے برسر پیکار رہتا تھا، مشہور شاعر متنبی نے اس کی بھی دربار داری ایک زمانہ تک کی تھی تفصیلات کے لئے عام تاریخی کتابیں دیکھئے، ۳۵۶ھ میں سیف الدولہ نے وفات پائی،

اس کے بعد اوس نے بیان کیا ہے، کہ عیسائی ہو ہو کر جوق کے جوق مسلمانوں کی جماعتیں روسیوں کے ساتھ مل گئیں، اور اب وہی، روسیوں کی معیت میں مسلمانوں پر اور ان کی آبادیوں پر حملے کر رہی ہیں، ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد بے چارے کے قلم سے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ نکل گیا ہے،

آرنلڈ نے بھی پادری ڈن ٹن کے حوالہ سے ترکی سلطنت کے ذکر کے سلسلہ میں یہ لکھنے کے بعد کہ

"اٹھارہویں صدی میں جب کہ عیسائی ایسی سختیوں میں مبتلا تھے، کہ کبھی ایسی سختیاں کسی زمانہ میں اُن پر نہ بیتی تھیں"

ڈن ٹن لکھتا ہے کہ اس زمانے میں :-

"عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آتا، بلکہ اُس زمانہ کے ترکوں کے متعلق بھی لکھا گیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی ترقی سے غافل اور مذہبی شکوک میں مبتلا ہو گئے ہیں"[1]،

بہرحال میں یہی کہنا چاہوں کہ بجائے اسلام کے اسلامی حکمرانوں پر اس کا الزام عائد کرنا کہ اُن کی

---

[1] اسی موقع پر آرنلڈ کی کتاب کے ان حواشی کا پڑھنا بھی مفید ہوگا، جن میں مختلف سیاحوں اور مصنفین کی کتابوں سے اس نے نقل کیا ہے، کہ ترکوں کی حکومت کا یہ وہ زمانہ تھا، جس میں عیسائیوں سے زیادہ ترکی سلطنت میں مسلمان کاٹے مصیبتوں کے شکار تھے، لکھا ہے کہ مسلمانوں کا افلاس عیسائیوں کے افلاس سے اتنا بڑھا ہوا ہے، کہ ان مسلمانوں کو دیکھ کر سیاحوں کو رحم آتا ہے، یہ اور اسی قسم کی باتوں کا بے دینی کے عہد میں پیدا ہو جانا تعجب خیز نہیں ہے لیکن بقول امیر شکیب ارسلان آج یورپ کی ذہنیت اسلامی حکومتوں کے متعلق یہ جان کر کہ اسلام کی دینی حکومت میں عیسائیوں کو ہر قسم کے حقوق سے استفادہ کا موقع بسہولت میسر آتا ہے لیکن باوجود اس کے پھر بھی مسلمانوں کی لادینی حکومت ہی پسند بھی کی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو لادینی حکومت کے قائم کرنے پر مسلمان حکمرانوں کو آمادہ کیا جائے، امیر یہ لکھنے کے بعد خوب لکھا ہے کہ اسلام کے خلاف تعصب و تنگ نظری کی یہ بدترین مثال ہو سکتی ہے جسے انسانی عقل سوچ سکتی ہے، اسلام کو وہ ناپسند کرتے ہیں خواہ ان کا وہ مفاد ہی کیوں نہ ہو، اور اسلام کے زوال کو وہ چاہتے ہیں، خواہ اسلام کے زوال میں خود ان کا زوال بھی کیوں نہ ہو،

(ص ۴۰۹، مقدمہ ابن خلدون کی تنقید از امیر شکیب ارسلان)

غفلت یا وقت ناشناسی، یا نا عاقبت اندیشی نے مسلمانوں کے مفتوحہ و مقبوضہ ممالک میں غیر مسلموں کو باقی رہنے کا موقع دیدیا، صحیح نہیں ہو سکتا ہے تو الزام سے اس طرزِ عمل کی تعبیر ہی غلط ہو اور کسی کو الزام ہی اگر وہ نظر آتا ہو تو چاہئے کہ اس الزام کا نشانہ مسلمان حکمرانوں کو نہیں، بلکہ اسلام اور اسلام کے ان قوانین و ضوابط کو بنائے جن کا اجمالاً ذکر آپ سُن چکے، خود قرآن میں جن کی پابندی کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفائے راشدین نے برت برت کر جسے دکھایا تھا، فتح خیبر ہی کا قصہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند یہودی آئے کہ فوج کے بعض لوگ ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں سننے کے ساتھ ہی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہر سپاہی تک یہ پہنچا دو کہ

"جنت صرف مومن (یعنی اللہ اور اسکے رسول کی باتوں کے ماننے والے) کے لئے ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو جمع کیا اور آگاہ کیا کہ معاہدہ کر لینے کے بعد کسی قسم کی غیر قانونی حرکت یہودیوں کے ساتھ قطعاً حرام ہے،

بخاری ہی میں ہے کہ اسی موقع پر اس کی منادی بھی ہر طرف کی گئی کہ

"معاہدہ کرنے والوں کو جو قتل کرے گا جنت کی بو بھی وہ پا نہ سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے"

اسی موقع پر مسلمانوں کو خطاب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا،

"لوگو! تم یہودیوں کے باڑوں میں گھس پڑے، حالانکہ جن سے معاہدہ طے پا چکا ان کا مال قطعاً حرام ہے، مگر وہی جس کی قانون اجازت دے"، (ابوداؤد)

یہ اور ایسی روایتوں کا ایک ذخیرہ صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا، انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ایک مصری عیسائی قریش کی طرف سے ایلچی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، "رُو در آوازہ پیغمبر نے اسکی سلیم فطرت کو فتراکِ نبوت کا نخچیر بنا لیا" تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانے اور عرض کرنے لگا کہ آپ جس پیغام کو لائے ہیں

مجھے سمجھا دیجئے، اس نے ارادہ ظاہر کیا کہ مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر چکا ہوں اور اب قریش کے پاس واپس نہ جاؤنگا، مگر سنئے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا جواب دیا، ابوداؤد ہی کے سنن میں ہے،

"نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ کسی ایلچی (سفیر) اور برد (ڈاک والے) کو روک سکتا ہوں تم کو چاہئے کہ جن لوگوں کی طرف سے سفیر بن کر آئے ہو، اُن کے پاس واپس جاؤ اس کے بعد بھی تمہارے دل میں وہی خیال اگر باقی رہے جو اس وقت پیدا ہوا ہے، تو واپس آجانا"

یہ مصری عیسائی سفیر جن کا نام غالبًا بعد مسلمان ہونے کے ابو رافع رکھا گیا، وہی بیان کرتے تھے کہ

"میں قریش کے پاس واپس گیا، اور پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہوا"

ان ہی تعلیمات، اور عملی زندہ مثالوں کا نتیجہ تھا کہ نازک سے نازک ترین مواقع پر بھی مصالح اور عقلی عواقب سے قطعًا بے پروا ہو کر صحابہ معاہدہ کے احترام پر اصرار فرماتے رہے، ابھی مجھ ہی سے امیر معاویہؓ تک کے متعلق آپ نے سنا کہ عمرو بن عبسہ صحابیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے کے ساتھ ہی اپنی ساری مصلحت اندیشیوں کو بالائے طاق رکھکر فوج سمیت رومی سرحد سے واپس لوٹ گئے حالانکہ حریف کو زک پہنچانے کے مغتنم موقع کو کھو دینے کے سوا کافی مالی تاوان ان کو برداشت کرنا پڑا، شام سے رومی سرحد تک فوج کو لیجانا اور لے آنا، کیا معمولی مصارف سے ممکن ہو، مگر کچھ بھی ہو پیغمبر نے حکم دیا مومن نے سر جھکا دیا، مشہور تابعی میمون بن مہران کے حوالہ سے سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں یہ فتویٰ اُن کا نقل کیا ہے، خلاصہ جس کا یہ ہے کہ

"تین باتوں میں مسلم اور غیر مسلم کوئی ہو، سب برابر ہیں، ایک تو معاہدے کے معاملہ میں کہ اسکی پابندی ہر حال میں ضروری ہے، خواہ مسلمانوں سے کیا جائے یا نامسلمانوں سے، اسی طرح رشتہ داری (صلہ رحمی) کے حقوق میں مسلم و غیر مسلم کی خصوصیت نہیں، تیسرا مسئلہ امانت کا ہے، کہ مسلم کی امانت ہو، یا غیر مسلم کی، خیانت حرام ہے، (در منثور ج ۳ ص ۱۹۲)

(باقی)

ریڈیو کی ایجاد کا قدیم نظریہ

از

جناب مولوی ابو العلاء نظر احمد صاحب سہسوانی

اس میں شک نہیں کہ ریڈیو یورپ والوں کی ایجاد اور انکی سائنس کا کرشمہ ہے، کس کو خبر تھی، کہ آئندہ زمانہ میں کوئی ایسا آلہ یا مشین ایجاد ہو سکتی ہے کہ بغیر کسی سلسلۂ تار برقی کے کسی جگہ کی کوئی خبر یا آواز دوسرے مقام پر پہنچ سکتی ہے یا سُنائی جا سکتی ہے، اور لوگ گھر بیٹھے دور دور مقامات کی تقریریں، اسپیچیں، گانے بجانے، غرضکہ مختلف قسم کی خبریں اور پروگرام بآسانی سُن سکیں گے، مگر اس محیر العقول ایجاد نے بظاہر ایک ناممکن شے کو ممکن بنا کر دکھا دیا، اور وہ چیز قوت سے فعل میں آگئی، اور لوگ عام طور سے پہلے جس چیز کو حیرت و استعجاب سے دیکھتے تھے، اب اس کو سرسری نظر سے دیکھنے کے خوگر بن گئے، اگرچہ اس ایجاد کا سہرا یورپ کے عالم سائنس مارکونی کے سر ہے، مگر اہلِ علم یہ جانتے ہیں کہ ریڈیو کی ایجاد اس تھیوری پر موقوف ہے کہ تمام آوازیں اور الفاظ و حروف جو دنیا میں بشکل آواز پیدا ہوتے ہیں، وہ جو یعنی فضا یا ایتھر میں بجنسہٖ محفوظ ہو جاتے ہیں، اور ہمیشہ باقی و قائم رہتے ہیں، اُن کو جب کبھی کھینچا یعنی حاصل کیا جائے، تو حاصل کئے جا سکتے اور سنے جا سکتے ہیں، چنانچہ بجلی کے ذریعہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچکر ہمارے سامنے آگیا، لیکن یہ نظریہ کہ ایتھر میں آوازیں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں، جن کو کبھی فنا لاحق نہیں ہوتی، کوئی جدید نظریہ نہیں ہے، جو پہلے سے معلوم نہ رہا ہو، گو عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ پرانا اور قدیم نظریہ ہے، جس کو ہمارے اسلامی فلاسفہ و حکما، اب سے آٹھ صدی پیشتر ظاہر کر چکے ہیں، یہ بات دوسری ہے کہ ہم اپنی محدود

معلومات و قصور نظر کی وجہ سے اُن کے بیانات سے ناواقف ہیں اور اُن کے قائم کئے ہوئے نظریے ہماری آنکھوں سے اوجھل رہے، اس سلسلہ میں اس مختصر مضمون میں ایسی دو شخصیتوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، جو اپنے علمی تبحر و قابلیت کی بنا پر یورپ و ایشیا دونوں میں مشہور و معروف ہیں، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے کون واقف نہیں ہے، وہ اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں ارقام فرماتے ہیں

اما الحروف اللفظیۃ فانھا تتشکل	یعنی حروف لفظی ہوا میں تشکل ہو جاتے
فی الھواء ولھذا اتصل بالسمع	ہیں، یہی وجہ ہے کہ متکلم جو کچھ کہتا ہے تو
علی صورۃ ما نطق بھا المتکلم و	بجنسہ اس کا کلام کان تک پہنچ جاتا ہے
اذ تشکلت فی الھواء قامت	اور جب الفاظ ہوا میں متشکل ہوتے ہیں تو
بھا ارواحھا وھذہ الحروف لا	ہوا ان کے اشکال کو بجنسہ ہمیشہ قائم رکھتی
یزال الھواء یمسک علیھا شکلھا	ہے، اگرچہ ان الفاظ کا عمل (سماعت) ختم
وان انقضی عملھا فان عملھا انما	ہو چکا ہو، کیونکہ ان کا عمل تو پہلی مرتبہ ہوا
یکون فی اول ما تتشکل فی الھواء	میں متشکل ہونے کی صورت میں ہوا کرتا ہے
ثم بعد ذلک تلحق بسائر الامم،	اس کے بعد وہ الفاظ دیگر کائنات میں مل

اس کے بعد علامہ موصوف ارقام فرماتے ہیں :-

وھذہ الحروف الھوائیۃ اللفظیۃ	یعنی یہ حروف لفظی جو ہوا میں مل چکے، ان کو
لا یدرکھا موت بعد وجودھا	کبھی موت لاحق نہیں ہوا کرتی بخلاف ان
بخلاف الحروف الرقمیہ وذلک	حروف کے جو تحریر میں آتے ہیں، یہ حروف
لان تشکل الحروف الرقمی والکلمۃ	و کلمات تغیر و زوال قبول کر لیتے ہیں،
الرقمیۃ تقبل التغیر والزوال لانہ	کیونکہ ان کا محل زوال پذیر ہے، مگر

فی محل یقبل ذلک والاشکال	اشکال لفظیہ کا محل چونکہ زوال پذیر نہیں ہے
اللفظیۃ فی محل لا یقبل ذلک	اس لئے اُن کے لئے دوام و بقا ہے، پس تمام
ولھذا کان لھا البقاء فالجو مملو	جو یعنی فضا یا اتھر دنیا کی آوازوں سے بھرا
من کلام العالم،	پڑا ہے،

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ شیخ محی الدین ابن عربی کا یہ نظریہ تھا کہ دنیا کی تمام آوازیں اور وہ الفاظ جو کسی زبان سے ادا ہوتے ہیں، اتھر میں جا کر محفوظ ہو جاتے ہیں، اور ہمیشہ قائم رہتے ہیں، گو ان کا اثر سماعت جاتا رہتا ہے، آپکے علاوہ ایک دوسرے مشہور و فاضل فلسفی عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں بطور اعتراض وجواب تحریر فرماتے ہیں،

فان قلت فھل تتشکل الحروف	یعنی اگر یہ سوال کیا جائے کہ حروف لفظی
اللفظیۃ فی الھواء ام تذھب	ہوا میں متشکل ہو جایا کرتے ہیں یا منتشر ذرات
ھباءً منثوراً بعد خروجھا فالجواب	کی مانند مٹ جاتے ہیں، تو اس کا جواب
انھا تتشکل فی الھواء اذا خرجت	یہ ہے کہ وہ ادا ہونے کے بعد ہوا میں متشکل
ولذلک تتصل بالمسموع علی	ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ الفاظ متکلم
صورۃ ما نطق بھا المتکلم	کے نطق کے مطابق دوسرے کے کان تک
فاذا تشکلت فی الھواء	پہنچ جاتے ہیں، اور جب وہ ہوا میں متشکل
تعلقت بھا ارواحھا ولا یزال	ہو جاتے ہیں، تو ہوا ان کے اشکال کو بجنسہ
الھواء یمسک علیھا شکلھا و	قائم رکھ لیتی ہے، اگرچہ ان کا وہ اثر
ان انقضی عملھا فان عملھا	و عمل ختم ہو جاتا ہے جو اول مرتبہ ہوا میں
وتاثیرھا انما یکون فی اول	متشکل ہونے کے وقت تھا، اس کے بعد

ما تتشکل فی الھواء ثم بعد ذٰلک تلحق بسائر الامم فیکون شغلھا تسبیح ربھا،

وہ الفاظ یا آوازین کائنات مین شامل ہوجاتی ہین، جن کا کام اپنے رب کی تسبیح کرنا رہتا ہے (یہ ایک مذہبی و اعتقادی بات ہے جس پر بحث نہیں کیجاسکتی)

پھر آگے چل کر دوسری جگہ تحریر فرماتے ہین :۔

فان قلت فان ھذہ الحروف اللفظیۃ لا یدرکھا موت بعد وجودھا فالجواب نعم لا تلحقھا موت بخلاف الحروف الرقمیۃ لانھا تقبل التغیر والزوال اذھی فی محل یقبل ذٰلک واما الاشکال اللفظیۃ فلھا البقاء لکونھا فی محل لا یقبل التغیر

یعنی اگر یہ دریافت کیا جائے کہ حروفِ لفظیہ کے صدور کے بعد ان کو فنا و موت لاحق ہوتی ہے یا نہین، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کو موت لاحق نہین ہوا کرتی، بخلاف مکتوبہ الفاظ کے کہ وہ تغیر و زوال قبول کرلیتے ہین، کیونکہ ان کا محل اس کے قابل ہے، اور اشکالِ لفظیہ کا محل چونکہ ناقابلِ تغیر ہے، اسلئے ان کو کبھی زوال و تغیر لاحق نہین ہوا کرتا،

ان دونون بزرگون کے مذکورۂ بالا بیانات سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ نظریہ کہ ایتھر مین تمام عالم کی آوازین بھری ہوئی ہین، جو بجنسہ اپنی اصلی حالت کے ساتھ محفوظ ہین، اور قابلِ تغیر و زوال نہین، کیونکہ ان کا محل ہی قابلِ تغیر نہین، اور اس کو موت و فنا لاحق نہین ہوتی، اُس زمانہ مین سائنس کو ترقی نہین ہوئی تھی، کہ یہ نظریہ عملی شکل اختیار کرتا، اس لئے نظریہ ہی کی شکل مین رہ گیا، لیکن اس سے اتنا تو بہرحال ثابت ہوگیا کہ ایتھر مین آوازون کے محفوظ رہنے کا نظریہ بہت قدیم ہے، جو مسلمان فلاسفہ کی کتابون مین ملتا ہے،

ہندو مسلم میل ملاپ کا ایک سندیس

از

سید سلیمان ندوی

کئی سال ہوئے رمضان کے دن تھے، مین دار المصنفین کی مسجد مین ایک کھڑکی کے پاس بیٹھا قرآن پاک کا درس دے رہا تھا، کہ ایک ہندو نوجوان اس کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوا، دونون ہاتھ جوڑ کر سلام کیا، وضع اتنی سادی تھی کہ مین نہ سمجھ سکا کہ یہ کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ پاس بلا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ بنارس یونیورسٹی کے ایم اے کے طالب علم ہین اور اب ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے مسلمان صوفیون کے ہندی کلام پر کام کرنا چاہتے ہین، اور اسی سلسلہ مین مجھ سے مدد مانگنے آئے ہین، چنانچہ وہ آتے رہے، اور مجھ سے جو بنا مین انھین دکھاتا اور بتاتا رہا،

ایک دفعہ بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر آئے، اور دار المصنفین مین کئی دن ٹھہرے رہے، ان کا مضمون کوئی تاریخی تھا، مجھ سے اور میرے رفیقون سے بہت سے معلومات حاصل کئے، اور بہت خوش خوش ہمارے یہان سے واپس گئے، بعد کو اُن کے خط بھی آتے رہے،

شبلی منزل اور دار المصنفین ایک ایسا مقام ہے جہان ہندو اور مسلمان لیڈر ہمیشہ آتے رہتے ہین، ہندوؤن مین گاندھی جی، مالویہ جی، سروجنی نائیڈو، موتی لال جی، جواہر لال سے لیکر مقامی لیڈر تک برابر یہان آتے رہے، پنڈت موتی لال یوپی اضلاع کے دورے کے سلسلہ مین جب اعظم گڈھ آتے تو ہمیشہ دار المصنفین ہی مین ٹھہرتے تھے، انکی زندگی مین شبلی منزل اُن کا بے تکلف مہمان خانہ تھا، اور ان کو اپنے سیاسی کامون مین دار المصنفین کے کارکنون پر بڑا بھروسہ تھا، جواہر لال جی کے لئے بھی یہ کبھی ممکن نہ ہوا کہ وہ پورب کے شہرون کے دورہ کو نکلین اور شبلی منزل نہ آئین،

بار با یہان آکر ٹھہرے بھی اُسی طرح کانگریس دور کے وزیرون مین سے بھی کوئی ایسا نہین جو ادھر آیا ہو اور شبلی منزل
مین قدم نہ رکھا ہو، تاہم ہم نے آج تک اُن باتون کا معارف کے صفحون مین ذکر نہین کیا، کیونکہ ہمارے نزدیک
کوئی اہمیت کی بات نہ تھی، لیکن آج جب کہ ہوا کا رُخ بدل گیا ہی اور لوگ ہندو مسلم میل ملاپ کی باتون کو سننے کو ترس
گئے ہین، ہم اس کے ذکر پر مجبور ہوئے ہین،

ہم کو خوب یاد ہو کہ گاندھی جی جب بند درہ مین اعظم گڈہ آئے تو اُن کے ٹھہرنے کا انتظام تو اور جگہ تھا،
مگر وہ خود شبلی منزل آئے، اور ایسے وقت آئے کہ مغرب کا وقت تھا، میدان مین جانماز بچھا کر ہم لوگ نماز مین تھے،
یہ دیکھ کر وہ نہایت ادب سے آہستگی سے کنارہ بیٹھ گئے، اور ساتھ والون کو اشارہ سے چپ چاپ رہنے کو کہا، لالٹین
کی روشنی مین کتب خانہ دیکھا، لوگ روشنی تیز کرنے کے لئے لالٹین کی روشنی بڑھاتے تھے، وہ دھوان دینے لگتی، تو
گاندھی جی اپنے ہاتھ سے اس کو کم کر دیتے، پھر یہین ہمارے ایک رفیق نے اُن کے سامنے اُن کے دستخط کے لئے اپنی یادداشت
کی کتاب پیش کی، اور اس پر گاندھی جی نے اردو مین دستخط کیے،

گاندھی جی دار المصنفین اور مولانا شبلی سے اس طرح واقف تھے، کہ جب وہ ایک دفعہ جیل مین اردو پڑھ رہے
تھے، تو حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے حکم سے دار المصنفین نے گاندھی جی کی خدمت مین سیرت نبوی کی جلدین بھیجی تھین
جنکو گاندھی جی نے پڑھا، اور جب جیل سے باہر آئے تو اس واقعہ کا ذکر اپنے مضمون مین کیا، اور اس مین مولانا شبلی اور
اُن کی اس کتاب کا خاص طور سے نام لیا، اور اس کے لئے حکیم صاحب مرحوم کا شکریہ ادا کیا،

آج یہ باتین اتفاقاً قلم سے اس لئے نکل آئین کہ گذشتہ عید کے موقع پر بنارس یونیورسٹی کے ایک ہندو
دوست نے جو ریاضی کے پروفیسر ہین، مجھے مبارکباد کا اردو مین خط لکھا، اوس کو پڑھکر مجھے بڑا اچنبھا ہوا کہ کیا
اس کشت وخون اور قتل وغارت کے بعد بھی ایک ہندوستانی ہندو، ایک ہندوستانی مسلمان کو یہ خط لکھ
سکتا ہو؟ کیا اس سے یہ واقعہ نہین ثابت ہوتا، کہ کبھی کبھی کے گناہ سے دل کا چراغ حقیقت مین گل نہین
ہو جاتا، یہ وقت کی آندھیان ہین، جو آتی اور گذر جاتی ہین، لیکن دل کی بستی اور نیکیون کی آبادی اپنی

جگہ رہتی ہے، ہم ذیل مین اس خط کو نقل کرتے ہین، افسوس ہے کہ مین نے اپنے جواب کی نقل نہین
رکھی ورنہ اس کو بھی ساتھ ہی شائع کر دیتا، "س"، ۳۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء

عظمت گڈہ پیلس بنارس

۸ر اگست ۱۹۴۸ء

"محترمی ومکرمی بندہ جناب استاد سید صاحب کی خدمت مین بندے کا نہایت
عجز وانکساری سے آداب عرض قبول ہو، مین نے دریافت کیا تھا معلوم ہوا کہ آپ بھوپال تشریف فرما
ہین، عید مبارک کے موقع پر آپ کی بہت یاد آئی، اگر آپ ہوتے تو اعظم گڈہ بھی چلا آتا، اسی وجہ
سے کچھ روز ہوئے دریافت کیا تھا، بصد عجز ونیاز عید کی مبارکباد عرض کرتا ہون قبول ہو، خدا
آپ کو مع اہل وعیال کے خوشی اور مسرت سے رکھے اور آپ کو ہمارے سرون پر اسی طرح دائم وقائم
رکھے، ایسے عالم اور علم دوست آج کل ہمارے ملک مین بہت کم ہین، اس لئے مین آپ کی قدر کو
اچھی طرح جانتا ہون، مین کئی مرتبہ جناب کی خدمت مین اعظم گڈہ حاضر ہوا تھا،

آپ کا نیاز مند:- "رام کمار چوبے"

پروفیسر ریاضی ہندو یونیورسٹی بنارس

[1] پروفیسر صاحب ابھی گذشتہ اکتوبر کے آخری ہفتہ مین دار المصنفین تشریف لائے تھے، کئی دن ٹھہرے، کتب خانہ سے
استفادہ اور رفقار سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کیا، "س"

مطبوعاتِ جدیدہ

صحیفۂ ٹیپو سلطان حصۂ اول و دوم، مرتبہ جناب محمود خانصاحب بنگلوری تقطیع چھوٹی ضخامت علی الترتیب ۳۰۴ و ۳۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد آٹھ روپیہ، پتہ گوشۂ ادب [illegible]

ٹیپو سلطان ہندوستان کا وہ آخری جانباز مجاہد اور مصلح و مدبر فرمانبردار تھا جس نے ہندوستان کو غیر قومون کی غلامی سے بچانے اور اسلام اور مسلمانون کی تجدید واحیاء کی سرفروشانہ جدوجہد کی اور اس راہ مین جان تک دیدی، لیکن انگریزون نے اپنے مصالح کی بناپر مختلف تدبیرون سے ہندوستانیون کے دل سے اس کی یاد کو بھلانے کی کوشش کی، اس لئے ایک عرصہ تک اس کے کارنامے عام نگاہون سے پوشیدہ رہے، لیکن جب ہندوستانیون مین آزادی کی روح پیدا ہوئی تھی، سلطان شہید کی جانب بھی اُن کی توجہ ہوچلی تھی، اور ادھر چند برسون کے اندر مختلف طریقون سے اوس کی یاد کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلہ مین سلطان کے ایک اہم وطن جناب محمود خان صاحب نے کئی سال ہوئے، سلطنت خداداد کے نام سے سلطنت میسور کی تاریخ لکھی تھی، صحیفۂ ٹیپو سلطان اس موضوع پر ان کی دوسری اہم کتاب ہے، اس کا بڑا ماخذ جیسا کہ مؤلف کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے، کرنل ولیم کرک پیٹرک کی کتاب ہے، کرنل مذکور میسور کی چوتھی جنگ مین شریک تھا، اور سلطان کی شہادت کے بعد اس کے مکتوبات واحکام و فرامین اور دوسرے سرکاری کاغذات کی حفاظت و نگرانی، اور اُن کے ترجمہ کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا، اُن کی مدد سے اُس نے اسی زمانہ مین انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، جو ۱۸۱۱ء مین لندن سے شائع ہوئی تھی گو یہ کتاب انگریزون کے مفاد ومصالح سے خالی نہین ہے، لیکن اس پہلو سے قطع نظر سلطان کے حالات مین

معتبر و مستند کتاب ہے، مؤلف صحیفہ نے زیادہ تر اسی کو ماخذ بنایا ہے، اس کے علاوہ سلطان کے بعض دوسرے احکام و فرامین اور تحریرون سے بھی جو اُن کو دستیاب ہوگئی ہین، استفادہ کیا ہے، اس مین مختلف حکام عہدہ دارون اور دوسرے عمائد و امراء وغیرہ کے نام سیاسی، انتظامی، جنگی، اور حکومت کے دوسرے امور و معاملات کے متعلق سلطان کے ۳۴۴ خطوط اور دوسرے مختلف احکام و فرامین اور تحریرین ہین، جن سے سلطان کے تدبر، عالی دماغی، اس کی سیاسی انتظامی اور جنگی قابلیت ومہارت کے ساتھ نظامِ حکومت، اس کے اہم شعبون، ہندوستان کی آزادی اور اسلام و مسلمانون کی تجدید و اصلاح کے لئے سلطان کی جدوجہد اور ملک کی صنعتی تجارتی اور زرعی ترقی کے لئے اس کی کوششون اور دوسرے کارنامون کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کتاب کے آخر مین متعدد ضمیمے ہین، جن سے سلطنت میسور اور سلطان کے متعلق متفرق مفید معلومات حاصل ہوتے ہین، آخر مین سلطان کے متعلق جو غلط فہمیان پھیلائی گئی ہین، ان کی تردید کی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب سلطان کے حالات مین نہایت معتبر اور مفید معلومات پر مشتمل ہے،

ملفوظات بزرگانِ دین، از جناب محبوب سید ایم اے تقطیع اوسط ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد [illegible] :- اردو بک اسٹال بیرون لاہوری دروازہ لاہور و میکون کمپنی انور روڈ کراچی،

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور صلحاء و اخیار امت کے ملفوظات و حکیمانہ اقوال نہ صرف اخلاقی و روحانی اصلاح و تزکیہ کا نسخہ ہین، بلکہ اُن پر عمل سے دین و دنیا دونون مین فلاح و سعادت قلبی سکینت اور تعلق مع اللہ کی دولت ہاتھ آتی ہے، ہونہار اور صالح نوجوان مؤلف نے جن کو اسی نسخۂ شفا سے ہدایت کی راہ ملی ہے، مختلف بزرگانِ دین کے ملفوظات و حکیمانہ اقوال کو کتابون سے چن کر جمع کردیا ہے، ان مین سے بعض احادیث نبوی ہین جو کسی بزرگ کی زبان سے ادا ہوئی ہین، خود اُن کے ملفوظات نہین ہین، یہ کتاب دینی و دنیوی اور اخلاقی و روحانی فوائد کے لحاظ سے ہر مسلمان کے مطالعہ کے لائق ہے، کتاب کے شروع مین

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے مختصر دیباچہ ہے، جس مین بزرگانِ دین کے ملفوظات کے مقصد کی پوری روح آگئی ہے،

ہم آپ از جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۳ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ ہندستانی اکیڈمی الہ آباد، یوپی،

فن نفسیات (سائیکالوجی) مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی شہرت محتاج بیان نہین، اس فن پر اردو اور انگریزی دونون زبانون مین اُن کی متعدد تالیفات شائع ہو چکی ہین، مذکورۂ بالا کتاب ہندستانی اکیڈمی الہ آباد نے اُن سے لکھوائی تھی، یہ چودہ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین فن کا تعارف اور اس کی تشریح، دوسرے مین اس کی مختصر تاریخ اور باقی ابواب مین نفسیات کے مسائل ومباحث ہین، کتاب کے آخر مین اشخاص کے نامون کا انڈکس اور مصطلحات کی فہرست ہے، کتاب کی خوبی اور خامیون کا صحیح فیصلہ تو اس فن کے واقف کار ہی کر سکتے ہین، لیکن اس کے مطالعہ سے اتنا اندازہ تو ہر شخص کو ہو جاتا ہے کہ نفسیات کے علمی مباحث کو روزانہ کی زندگی کے واقعات سے اتنے آسان دلچسپ اور سلجھے ہوے انداز مین سمجھایا گیا ہے، کہ معمولی اردو خوان بھی انکو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے،

معروضہ از جناب مولوی محمد الیاس برنی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ:- بیت السلام سیف آباد حیدرآباد

فاضل مصنف کو دوسرے علوم وفنون کے ساتھ شعر وسخن سے بھی ذوق ہے، وہ سخنور بھی ہین اور سخن سنج بھی، معروضہ ان کے کلام کا مجموعہ ہے، اس مین مختلف مذہبی واخلاقی موضوعون پر نوے ۹۰ نظمین ہین، مصنف کو اللہ تعالےٰ نے باطنی دولت سے بھی نوازا ہے، اس لئے ان کی شاعری محض رسمی نہین بلکہ اُن کے قلبی تاثرات اور حقیقی جذبات کا آئینہ دار ہے، اس مجموعہ کی تمام نظمون مین یہ اثر نمایان ہے، خصوصاً حمد، نعت اور منقبت کی نظمین نہایت گرم موثر اور اصحاب ذوق وحال کے مطالعہ کے لائق ہین، کتاب کا مقدمہ بھی مفید مذہبی وروحانی فوائد ونکات پر مشتمل ہے،

"م"

جلد ۶۲ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۸ء عدد ۶

مضامین

مقالات

ادبیات

ضروری اطلاع

سیرۃ النبی حصہ اول، سیر الصحابیات، اور تاریخ اسلام حصہ دوم وسوم کی، جو ختم ہو گئے تھے بکثرت فرمایشین آرہی ہین، تاریخ اسلام حصہ دوم چھپ کر تیار ہو گیا ہے، باقی کتابین زیر طبع ہین، شائقین اطمینان رکھین، پہلے کے ساتھ ان کی فرمایشون کی تعمیل کی جائے گی۔

منیجر